وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 7	شمارہ 06	رجب 1434ھ	جون 2013ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: سعد حسن خان

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اختیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارچوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ الدھر	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	اسلام اور سائنس (2)	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	10
5	سقوط خلافت کے بعد احیائے خلافت کی کوششیں 4	انجینئر مختار فاروقی	27
6	''بچے دو وہی اچھے'' کے مغربی فلسفہ کے ہولناک نتائج	انجینئر مختار فاروقی	37
7	اور.....میں مسلمان ہو گیا		55
8	تبصرہ و تعارف کتب		61

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

﴿سورۃ الدھر آیات 08-18﴾

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا O

اور باوجود یکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے

فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں

اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ

(اور کہتے ہیں کہ) ہم تم کو خالص اللہ کے لئے کھلاتے ہیں

لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوْرًا O

نہ تم سے معاوضہ کے خواستگار ہیں، نہ شکرگزاری کے (طلبگار)

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا O

ہم کو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر لگتا ہے جو (چہروں کو) کریہ المنظر

اور (دلوں کو) سخت (مضطر کردینے والا) ہے

فَوَقٰھُمُ اللّٰہُ شَرَّ ذٰلِکَ الْیَوْمِ وَ لَقّٰھُمْ نَضْرَۃً وَّ سُرُوْرًا O

تو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے بچالے گا اور تازگی اور خوش دلی عنایت فرمائے گا

وَ جَزٰهُمۡ بِمَا صَبَرُوۡا جَنَّةً وَّحَرِيۡرًا O

اوران کے صبر کے بدلے ان کو بہشت (کے باغات)

اور ریشم (کے ملبوسات) عطا کرے گا

مُّتَّكِـئِيۡنَ فِيۡهَا عَلَى الۡاَرَآئِكِ

ان میں وہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے

لَا يَرَوۡنَ فِيۡهَا شَمۡسًا وَّ لَا زَمۡهَرِيۡرًا O

وہاں نہ دھوپ (کی حدّت) دیکھیں گے نہ سردی کی شدّت

وَدَانِيَةً عَلَيۡهِمۡ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتۡ قُطُوۡفُهَا تَذۡلِيۡلًا O

ان سے (ثمردار شاخیں اور) ان کے سائے قریب ہوں گے

اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے

وَ يُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِاٰنِيَةٍ مِّنۡ فِضَّةٍ وَّ اَكۡوَابٍ كَانَتۡ قَوَارِيۡرَا۠ O

(خدام) چاندی کے باسن لئے ہوئے ان کے اردگرد پھریں گے

اور شیشے کے (نہایت شفاف) گلاس

قَوَارِيۡرَا۠ مِنۡ فِضَّةٍ قَدَّرُوۡهَا تَقۡدِيۡرًا O

اور شیشے بھی چاندی کے جو اعلیٰ اندازے کے مطابق بنائے گئے ہیں

وَيُسۡقَوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنۡجَبِيۡلًا O

اور وہاں ان کو ایسا جام (بھی) پلایا جائے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی

عَيۡنًا فِيۡهَا تُسَمّٰى سَلۡسَبِيۡلًا O

یہ بہشت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے

صدق اللّٰہ العظیم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

آیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَ اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔'' (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

اِئْتَدِمُوْا بِالزَّیْتِ وَ ادَّھِنُوْا بِہٖ فَاِنَّہٗ یَخْرُجُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ

زیتون کا تیل بطور سالن استعمال کرو اور اسے (جسم پر) لگایا بھی کرو کیونکہ یہ برکت والے درخت سے نکلتا ہے (عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

اِئْتُوا الدَّعْوَۃَ اِذَا دُعِیتُمْ

جب تمھیں دعوت دی جائے تو دعوت قبول کرو (عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

الجَامعُ الصَّغِیُر فی احادیث البشیر والنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ

الیکشن 2013ء کی گہما گہمی
.....ولے بخیر گزشت

انجینئر مختار فاروقی

الحمدللہ کہ ملک میں گزشتہ چند ماہ سے جس نئے الیکشن کا انتظار تھا اور دسمبر 12ء سے کچھ وجوہات کی بنا پر پورا ملک اور تمام شہری ایک 'الیکشن بخار' کی سی کیفیت میں مبتلا تھے وہ مرحلہ مجموعی طور پر بخیریت مکمل ہو رہا ہے۔

پاکستان کے تمام شہریوں کی طرح اس ملک کو پیش آنے والے ہر خطرہ اور بحران کی کیفیت میں ہمیں بھی پریشانی اور غیر یقینی صورت کا سامنا ہوتا ہے اور گزشتہ کئی عشروں سے بالعموم اور گزشتہ تیرہ سالوں (نائن الیون کے واقعہ کے بعد) سے بالخصوص کچھ لوگ ملک میں بہتر حکومت، اقتصادی ترقی، عوامی فلاح و بہبود کے منصوبوں، مہنگائی اور توانائی (بجلی، پانی، گیس وغیرہ) کے مسائل سے نجات کی خوشنما اُمیدیں آنکھوں میں سجا لیتے ہیں۔

ہم بھی اپنے آپ کو انہیں لوگوں میں شمار کرتے ہیں جو بدلتے ہوئے حالات میں بہتری کی توقع رکھتے ہیں اور اس کے لیے اپنی حد تک کوششیں بھی کرتے رہتے ہیں۔ ایک طبقہ ہمیں رجائیت پسند کہتا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھتے ہوئے اچھے مستقبل کی اُمید رہتی ہے۔ ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ (متفق علیہ، عن ابی ہریرہ)

''میں اپنے بندے سے اس کے گمان (اور دلی توقع) کے مطابق ہی معاملہ کرتا ہوں''

البتہ ـــــــ ہماری توقّعات ملک میں موجود دیگر طبقات کی مستقبل کی توقعات سے قدرے مختلف ہیں اور یہ توقعات اُمت مسلمہ اور ملت اسلامیہ کے مستقبل سے متعلق ہیں۔عوامی سطح پر یہ توقعات اختیارات کا حصول، اپنی حکومت کا قیام، وزارتوں کا حصول اور لوٹ کھسوٹ کے مواقع کی توقع یا بجلی اور گیس کے بحران سے نکلنے کی توقع اور معاشی ترقی کی امید جیسی توقعات بھی ہوسکتی ہیں تاہم نفسانفسی کے اس دور میں ذاتی اغراض اور مفادات سے بلند ہوکر ملت اسلامیہ اور اُمت مسلمہ کی عالمی سطح پر بہتری اور درپیش خطرات ومسائل سے سرخرو ہوکر نکلنے کی توقعات بھی ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔اندرونِ ملک بھی 'اسلام' کے مستقبل، عدل وانصاف کی فراہمی کے شفاف انتظامات اور مواقع، سود کا خاتمہ، جاگیرداری سے نجات، سابقہ ادوار میں لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری میں ملکی وسائل کی بربادی کا حساب اور بازیافت کا کوئی روڈ میپ اور منصوبہ یا اسلام کی سماجی اور معاشرتی اقدار کے فروغ کے لیے بامقصد اجتماعی کوششیں بھی ہر باشعور شہری کی ذمہ داری ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ اسلام کے نظامِ حکومت وریاست یعنی نظامِ خلافت کا قیام، حکمرانوں کی سادہ اور مثالی زندگی، کفالت عامہ کا تصور (یعنی عوام کے لیے روٹی کپڑا مکان مفت تعلیم اور مفت علاج معالجہ) اور انصاف کی بے لاگ فراہمی تبھی ممکن ہے جب یہ ملک پاکستان قائم رہے گا اور عوام مطمئن ہوں گے امن وامان کی صورت حال بہتر ہوگی۔لہٰذا ہر وہ واقعہ یا خبر جس سے پاکستان کے لیے کوئی خطرہ کی گھنٹی ہو یا استحکامِ پاکستان کے لیے خدشات سامنے آرہے ہوں ہم جیسے رجائیت پسند جو اسلام کو غالب ونافذ دیکھنا چاہتے ہیں ان کے لیے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔

کچھ نئے قارئینِ حکمت بالغہ یا اُمت مسلمہ کے نوجوانوں کے لیے اس بات کو بھی دہرادیا جائے تو حرج نہیں کہ جب ہم اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں یا علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہم اسلام کا غلبہ چاہتے ہیں تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتا کہ موجودہ حکمرانوں کو بدل کر اسی مزاج کے کچھ نئے چہرے لاکر بٹھادیے جائیں یا انسان نے سقوطِ بغداد (1258ء) اور سقوطِ غرناطہ (1492ء) یعنی مسلم اقتدار کے خاتمے اور اسلامی تہذیب وتمدن کے اضمحلال کے بعد یورپ اور امریکہ کے علاوہ باقی دنیا نے جو ٹھوس سماجی، اقتصادی اور سیاسی خوبیاں انسانیت کے لیے اکٹھی کی ہیں اُن کو بھی یکسر اُٹھا کر ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے۔

بلکہ ہمارے نزدیک یہ کائنات اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اور تمام انسانوں کو بھی اس نے پیدا کیا ہے اور ان کی صلاحیتیں بھی اسی نے بخشی ہیں۔ پھر اس اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی رہنمائی اور بہتری کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے ان کو کتابیں عطا فرمائیں۔ ان انبیاء علیہم السلام میں سے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ان کی کتاب قرآن مجید آسمانی ہدایت کا آخری مصدقہ (LAST AMMENDED) نسخہ ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کی طرف اور تمام انسانوں کی بھلائی کی خاطر تشریف لائے اور ان کی لائی ہوئی ہدایت بھی تمام انسانوں کی طرف اور تمام انسانوں (بلالحاظ رنگ و نسل، وطن، زبان، اور زمانہ) کے لیے ہے۔ قرآن مجید جتنا مسلمانوں کے لیے ہے اتنا ہی تمام انسانیت کے لیے ہے اس کے دیے ہوئے اُصول فطرت انسانی کے عین مطابق بلکہ اس فطرت کے عکاس ہیں۔

ہم مسلمان اپنی بے عملی اور ابلاغِ حق میں نااہلی کی وجہ سے اگر یہ پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا تک نہیں پہنچا سکے (جس کے ہم ذمہ دار تھے) جس کی وجہ سے لوگ ابھی اس کی قدر و منزلت سے ناواقف ہیں اور اس کے مخالف ہیں۔ ورنہ ہر انسان کی فطرت اور اس کے داعیات اور ہر معتدل مزاج مصلح و ریفارمر کی صحت مند سوچ آسمانی ہدایت کے بہت قریب ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا کہ دنیا اس سے پہلو تہی کر کے جو تجربات سوشل سائنسز، اندازِ حکمرانی، عدل و انصاف کی فراہمی اور انسانی اقدار کے حصول کے میدانوں میں اکٹھا کر رہی ہے وہ دراصل اسلام ہی کی طرف سست رفتار پیش قدمی ہی ہے۔ گویا اسلام کا براہِ راست مطالعہ کر کے انسانیت ہدایت اور اجتماعی خیر کا جو بے بہا خزانہ یک مشت اور یک لخت حاصل کر سکتی تھی اس کی طرف پیش قدمی اب بھی جدلی مادّیت اور عمرانی نظریات کے ارتقا کے دھکے کھا کر ہو رہی ہے۔ مگر جو کچھ بالآخر حاصل ہوتا ہے وہ اسلام کی تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کا ایک دھندلا سا عکس جمیل ہی ہوتا ہے۔

ے ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
زاں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم او را بہا ست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ست

مسلمانوں کی زبان سے اسلام کے غلبے اور نظامِ خلافت کے الفاظ سن کر صلیبی ذہن اور صہیونی ذہن میں جوارتعاش کی بلند لہریں پیدا ہوتی ہیں۔اس اضطرابی اور ہیجانی کیفیت کا اہل علم و دانش کو ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔اسلام کے غلبے کے نعروں اور کوششوں کے مقابل مغرب نے گزشتہ ایک ہزار سال سے جو صلیبی لشکر تیار کیے اور بار بار لاکھوں کروڑوں لوگوں کو اس میں جھونک دیا اور کثیر سرمایہ اور اسلحہ اس کی نذر کر دیا مگر تاریخ گواہ ہے کہ ان صلیبی جنگوں میں صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاقی معیار انسانی اقدار کا معیار، عظمت انسانی کا تصوّر، اعلیٰ جنگی اُصول اور محکوم رعایا سے حسن سلوک کا معیار اتنا بلند تھا کہ کئی صدیاں پہلے بھی اور اب 2001ء کے بعد کی صلیبی جنگ میں بھی صلیبی وصہیونی تہذیب کے فرزند اس کی مثال پیش نہیں کر سکے۔

اسلام کے غلبے اور نظامِ خلافت کے نفاذ سے مراد پانچ صدیاں قبل کے یورپی اقوام کے سیاسی وعسکری تسلّط کے مشابہ 'مسلمان قوم' کا غلبہ نہیں ہے بلکہ ان اقدار کا غلبہ ہے جو ہر انسان کی خواہش ہے اور قرآن مجید نے اس کی تعلیم دی ہے اور مسلمان اس تعلیم کو عام کرنے اور نافذ کرنے کے ذمہ دار ہیں اسلام کے غلبے سے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی یکساں طور پر مستفیض ہوں گے جہاں ہر مسلم اور غیر مسلم کے لیے ایک جیسا کفالت عامہ کا نظام ہوگا اور عدل وانصاف، وسائل رزق کی فراوانی، شرم وحیا کا ماحول اور عفت وعصمت کی حفاظت کا نظام بلا لحاظ رنگ ونسل اور ملک وملت سب انسانوں کے لیے یکساں برکات لیے ہوئے ہوگا۔مسلمان عوام اور حکمران طبقہ یا اشرافیہ بھی زیادہ مراعات کا حقدار نہیں ہوگا بلکہ مساوات انسانی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے ہوگا جرم اور اس کی سزا کے معاملے میں مسلمان بھی غیر مسلم رعایا کے برابر ہوں گے۔

ہم پاکستان کو اسلام کے نظامِ خلافت کے عالمی سطح پر نفاذ کے خدائی منصوبے (آسمانی بادشاہت) کا پہلا قدم سمجھتے ہیں اور اس کے لیے کوشاں ہیں۔اس مقصد میں کامیابی سے دنیا بھر کے انسانوں کو برابر کا فائدہ ہوگا۔لہٰذا ہم اس بات کو کہنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے کہ دنیا بھر کے مظلوم اور بے کس انسانوں، قوموں اور معاشروں کو نظامِ خلافت کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اس کے نفاذ میں مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیے۔

اسلام اور سائنس

سائنسی علوم کی ایک مثالی اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

'اسلام اور سائنس' کو ہم یہاں اقبال اکادمی لاہور کی اجازت سے قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔(ادارہ)

مسلمان سائنسی طریق تحقیق کے موجد اور سائنسی علوم کے بانی تھے

بعض یورپی مصنفوں کی غلط بیانیوں کی وجہ سے دنیا مدت تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہی ہے کہ سائنسی علوم اور سائنسی طریق تحقیق کے موجد یورپ کے لوگ ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ سائنسی طریق تحقیق کا موجد روجر بیکن (ROGER BACON) یا اس کا ایک اور ہم نام ہے لیکن سائنسی علوم کی تاریخ کے موضوع پر حال کی علمی تحقیق نے اس ناقابل تردید تاریخی حقیقت سے پردہ چاک کر دیا ہے کہ سائنسی طریق تحقیق جس کی بدولت موجودہ سائنسی علوم وجود میں آ کر ترقی پذیر ہوئے ہیں، مسلمانوں نے ایجاد کیا تھا اور یورپ کے حالیہ سائنسی علوم کی بنیاد بھی مسلمانوں نے رکھی تھی پھر بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ مسلمانوں نے سائنسی طریق تحقیق یونانیوں سے سیکھا تھا اور اپنے سائنسی علوم کی بنیاد یونانیوں کی سائنس پر رکھی تھی۔ لیکن یہ خیال بھی درست نہیں۔

تعمیر انسانیت (THE MAKING OF HUMANITY) کا مصنف برفالٹ (BRIFFAULT) اس قسم کی تمام غلط فہمیوں کی پرزور تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''عصر جدید کی دنیا میں عربوں کی تہذیب کا عظیم الشان حصہ سائنس ہے لیکن

اس کے پھل کو پکنے میں کچھ دیر لگی۔ جب تک ہسپانوی عربوں کی تہذیب تاریکی میں دوبارہ گم نہیں ہوئی وہ دیو مہیب جس کو اس نے جنم دیا تھا اپنی پوری قوت کے ساتھ کھڑا نہیں ہوا۔ یہ فقط سائنس ہی نہیں تھی جس نے یورپ کو زندہ کیا۔ اسلام کی تہذیب کے اور بہت سے اثرات نے یورپ کی زندگی کو اس کی پہلی چمک دمک سے آراستہ کیا۔'' (ص:۲۰۲)

''اگرچہ یورپ کی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں اسلامی تہذیب کے فیصلہ کن اثر کے نشانات موجود نہ ہوں۔ لیکن یہ اثر کہیں بھی اتنا واضح اور اہم نہیں جتنا کہ اس طاقت کے ظہور میں ہے جو دنیائے جدید کی مخصوص اور مستقل قوت اور اس کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے یعنی سائنس اور سائنسی طرز فکر''۔ (ص:۱۰۹)

''ہماری سائنس فقط انقلاب آفریں نظریات کی حیرت انگیز دریافت کے لئے ہی علومِ عرب کی احسان مند نہیں بلکہ سائنس اس سے بھی بڑے احسان کے لئے عربوں کی تہذیب کی مرہونِ منّت ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ وہ خود اپنے وجود ہی کے لئے اس کے زیر احسان ہے۔ دنیائے قدیم یعنی یونانیوں کی تہذیب جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں سائنس سے پہلے کی دنیا تھی۔ یونانیوں کی فلکیات اور ریاضیات دوسرے ملکوں سے درآمد کی ہوئی چیزیں تھیں جن کو یونانی تہذیب کی آب وہوا کبھی پوری طرح سازگار نہ آسکی۔ اہل یونان حقائق کو منظّم کرتے تھے ان سے عمومی نتائج اور اصول اخذ کرتے تھے اور نظریات قائم کرتے تھے۔ لیکن تحقیق و تجسّس کے صبر آزما راستے، مثبت علم کی فراہمی، سائنس کے نقطہ رس طریقے، مفصل اور طویل مشاہدہ اور تجرباتی چھان بین ایسی چیزوں کا اہل یونان کی افتادِ طبیعت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ قدیم کلاسیکی دنیا کا علمی کام اگر کسی مقام پر ذرا سا بھی سائنسی تحقیق کے نزدیک پہنچا تو وہ یونانیوں کے دور کا اسکندریہ تھا۔ جسے ہم سائنس کہتے ہیں وہ یورپ میں تحقیق کی ایک ایسی نئی روح اور تجسّس کے ایسے نئے طریقوں یعنی تجربہ، مشاہدہ اور پیمائش اور ریاضیات کی اس قسم کی ترقی کے طفیل

ظہور پذیر ہوئی تھی جس سے اہل یونان محض بے خبر تھے۔ اس روح کو اور ان طریقوں کو یورپ میں عربوں نے داخل کیا۔'' (ص:۱۹۰)

''یورپ میں علوم کا احیاء پندرھویں صدی میں نہیں بلکہ اس وقت ہوا جب عربوں اور موروں کی تہذیب کے اثر سے یورپی تہذیب میں زندگی کی نئی روح پھونکی گئی۔ یورپ کی نئی زندگی کا گہوارہ اٹلی نہیں، بلکہ اسپین تھا۔ مدت تک بربریت کی پستیوں میں غرق ہوئے رہنے کے بعد یورپ جہالت اور ذِلت کی تاریک ترین گہرائیوں میں پہنچ چکا تھا۔ جب عرب ملکوں کے شہر بغداد، قاہرہ، قرطبہ اور طلیطلہ تہذیب اور علمی مشاغل کے ترقی پذیر مراکز بنے ہوئے تھے ان شہروں میں اس نئی زندگی کا آغاز ہوا جو نوعِ انسانی کے ارتقا کے ایک نئے پہلو کی صورت میں جلوہ افروز ہونے والی تھی۔ اس وقت سے لے کر جب عربوں کی تہذیب کا اثر محسوس ہونے لگا۔ نئی زندگی حرکت میں آنے لگی۔'' ص:۱۸۸

لیکن وہ نقطۂ نظر جس کی روشنی میں عرب موجودہ مواد کو کام میں لاتے تھے یونانیوں کے نقطۂ نظر کے بالکل متضاد تھا یہ نقطۂ نظر بعینہٖ وہ چیز مہیا کرتا تھا جس کا فقدان یونانیوں کے ذہن کا کمزور اور ناقص پہلو تھا۔ یونانیوں کی دلچسپی کا مرکز نظریہ آفرینی اور اصول سازی تھے وہ ٹھوس مشاہداتی حقائق سے بے پرواہ تھے اور ان کو نظر انداز کرتے تھے اس کے برعکس عرب محققین کا ذوق دریافت نظریہ آفرینی سے بے پرواہ تھا اور اس کا مقصود ٹھوس حقائق کو بہم پہنچانا اور اپنی معلومات کو صحت اور کمیّت کے معیاروں پر لانا تھا۔ معتبر اور پائیدار سائنس اور ایک ڈھیلے ڈھالے سائنسی ذوق میں جو چیز فرق پیدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ کہنے والا کیفیت نہیں بلکہ کمیّت بیان کر رہا ہے اور اپنی پیمائش کو ہر ممکن طریق سے درست کرنے کے لئے بے تاب ہے۔ عربوں کا سارا وسیع و عریض سائنسی کام اسی معروضی تحقیق اور کمیتی صحت و صفائی کے ذوق کے زیر اثر انجام پاتا رہا ہے۔

روجر بیکن نے آکسفورڈ اسکول میں ان لوگوں کے جانشینوں کے ماتحت عربی

زبان اور عربی سائنس کا علم حاصل کیا تھا۔ نہ روجر بیکن اور نہ ہی اس کا دوسرا ہم نام اس بات کا اہل ہے کہ اسے سائنسی طریق تحقیق کے موجد ہونے کا اعزاز بخشا جائے، روجر بیکن تو محض عیسائی یورپ کے لئے مسلمانوں کی سائنس کے سفیروں یا پیام رسانوں میں سے ایک تھا اور وہ کبھی یہ کہتے ہوئے نہ تھکتا تھا کہ عربی زبان اور عربی سائنس کا سیکھنا اس کے ہم عصروں کے لئے سچے علم کا ایک ہی راستہ ہے۔ یہ بحثیں کہ سائنسی طریق تحقیق کا موجد کون تھا، یورپی تہذیب کے سرچشموں کے بارے میں ایک بہت بڑی غلط بیانی پر مشتمل ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بیکن سے پہلے عربوں کا تجرباتی طریق تحقیق عام ہو چکا تھا اور یورپ بھر میں اس کا تتبع نہایت ذوق وشوق سے کیا جاتا تھا۔''

مسلمانوں کو یہ امتیاز کیسے حاصل ہوا

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا سبب کیا ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں سے فقط مسلمانوں کو ہی یہ امتیاز نصیب ہو سکا کہ انہوں نے قدرت کے گہرے مشاہدہ اور مطالعہ کو اپنا شعار بنایا۔ یہاں تک کہ وہ اس قابل ہوئے کہ سائنسی طریقِ تحقیق ایجاد کریں اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھیں۔

قرآن کی تعلیمات پر سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی اس بات میں ذرا شک باقی نہیں رہتا کہ اس کا سبب خود قرآن حکیم ہے جس کے قریباً ایک تہائی حصہ میں قدرت کے گوناگوں مظاہر کی طرف توجہ دلا کر کائنات کے مشاہدہ اور مطالعہ پر زور دیا گیا ہے۔ دراصل مشاہدہ اور مطالعۂ قدرت کے لئے سب سے پہلی مؤثر آواز جو دنیا میں بلند کی گئی ہے وہ قرآن ہی کی آواز ہے۔

مشاہدہ اور مطالعۂ قدرت کی قرآنی دعوت

قرآن نے مشاہدہ اور مطالعۂ قدرت پر کیوں زور دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم کا نچوڑ یہ ہے کہ خدا کی محبت انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے اور جب تک انسان خدا کی ستائش، عبادت اور اطاعت کے ذریعہ سے خدا کی محبت کا اظہار نہ کرے اس کی شخصیت نشوونما پا کر اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتی اور اس زندگی میں اور آنے والی زندگی میں ان مسرتوں اور راحتوں کو نہیں

پاسکتی جو اس کے کمال کے ساتھ وابستہ ہیں۔ خدا کی محبت کے ذریعہ سے انسانی شخصیت کی تکمیل ہی مقصد کائنات ہے لیکن خدا کی محبت جو انسان کی فطرت میں ہے خدا کی معرفت کے بغیر بیدار نہیں ہوتی اور خدا کی معرفت حاصل کرنے کا طریق یہ ہے کہ انسان خدا کی صنعت یعنی کائنات کو دیکھے، اس پر غور و فکر کرے اور اس کے ذریعہ سے اس کے صانع کے اوصاف، اور محاسن اور کمالات کو جانے اور پہچانے۔ کائنات کا خود بخود وجود میں آنا انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتا تو پھر جس ہستی نے کائنات پیدا کی ہے اس کے وجود اور صفات کی شہادت اس کائنات سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے۔

اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْض

(کیا خدا میں شک ہے جو کائنات کا خالق ہے)

صنعت کے اندر صانع کی تمام صفات جلوہ گر ہوتی ہیں اور اس کی صنعت سے اس کے مقاصد اور عزائم اور اس کی قابلیتوں اور اہلیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ خدا کی شخصیت انسان کی آنکھوں سے مخفی ہے تاہم اس کی صفاتِ حسن کی کارفرمائیاں انسان کی آنکھوں کے سامنے آشکار ہیں۔ جسمانی اور مادّی آنکھوں سے مخفی رہنا شخصیت کا خاصہ ہے خواہ شخصیت انسان کی ہو یا خدا کی۔ لیکن جس طرح ہمارے لیے کسی ایسے انسان کی شخصیت کو بھی جو بعد میں ہمارے جاننے اور پہچاننے کی وجہ سے ہمارا بہترین دوست بن جانے والا ہو، جاننے اور پہچاننے کی صرف یہی ایک ہی صورت ہے کہ ہم اس کی اندرونی مخفی صفات کے مظاہر کا جو اس کے اعمال و افعال کی صورت اختیار کرتے ہیں، مشاہدہ اور مطالعہ کریں۔ اسی طرح سے خدا کی شخصیت کو جاننے اور پہچاننے کی بھی صرف یہی ایک صورت ہے کہ ہم اس کی مخفی صفات کے مظاہر کا جو قدرت کے حالات اور واقعات اور اعمال و افعال کی صورت اختیار کرتے ہیں مشاہدہ اور مطالعہ کریں۔

خدا کے خالقِ کائنات ہونے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کائنات کے اندر اپنی صفات کے ذریعہ سے موجود ہے اور کائنات اور خدا ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں ہوسکتے۔ یہ کائنات سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں کہ خدا کی صفات کی ایک مرئی شکل ہے۔ اگر خدا کی صفات کا ظہور جو کائنات میں ہے غائب ہوجائے تو پوری کائنات ہی فنا ہوجاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم جہاں مؤمنین سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے

ہوئے خدا کا ذکر کریں، وہاں ان سے اس بات کی بھی توقع رکھتا ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق (خلق السماوات و الارض) پر غور و فکر کریں۔

الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِم وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلاً سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارO (03-191)

ترجمہ: ''وہ لوگ جو خدا کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں (یہاں تک کہ پکار اٹھتے ہیں) اے ہمارے ربّ، یہ کائنات (جس میں ہم بھی ہیں اور جس کا ذرّہ ذرّہ تیری صفاتِ حسن کا آئینہ دار اور تیری خالقیّت اور ربوبیت کا گواہ ہے) تو نے اپنے سچے مقصد کے بغیر پیدا نہیں کی پس (ہمیں کائنات کے اندر اپنے مقصد کے ساتھ اعتقادی اور عملی مطابقت کی توفیق عطا فرما کر) آگ کے عذاب سے بچائیو۔''

اور یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم مظاہر قدرت کو خدا کی ہستی اور صفات خالقیّت و ربوبیت کی نشانیاں (آیت) کہتا ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ O (03-190)

ترجمہ: ''اس میں شک نہیں کہ کائنات کی تخلیق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لئے (خدا کی ہستی اور صفات کی) نشانیاں ہیں۔''

وَ فِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ O (51--21-20)

ترجمہ: ''یقین کرنے والوں کے لئے روئے زمین پر خدا کی ہستی اور صفات کے بہت سے نشانات ہیں اور تمہارے نفوس میں بھی۔''

وَ اٰیَۃٌ لَّہُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَیۡتَۃُ اَحۡیَیۡنٰہَا وَ اَخۡرَجۡنَا مِنۡہَا حَبًّا فَمِنۡہُ یَاۡکُلُوۡنَ O (36--33)

ترجمہ: ''ایک نشان ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس سے دانے اُگائے جن کو وہ اپنی خوراک کے لئے استعمال کرتے ہیں۔''

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ الۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ O (02-164)

ترجمہ: ''بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے تغیر میں اور کشتی میں، جو سمندر میں لوگوں کو نفع دینے والے تجارتی مال کو لے کر چلتی ہے اور اس بات میں کہ خدا آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اس بات میں کہ اس نے زمین کے اوپر ہر قسم کے جاندار پھیلا دیے ہیں اور ہواؤں کی تبدیلیوں میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہرا دیا جاتا ہے، عقلمندوں کے لئے نشانات ہیں۔''

وَ مِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ تَنۡتَشِرُوۡنَ O وَ مِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَیۡهَا وَ جَعَلَ بَیۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّ رَحۡمَةً ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ O (30—21-20)

ترجمہ: ''اور اس کے نشانات میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا اور تم انسان بن کر زمین پر پھیل گئے۔ اور اس کے نشانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تم میں سے ہی تمہارے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم اپنی بیوی سے سکونِ قلب حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ بے شک اس بات میں غور کرنے والوں کے لئے نشانات ہیں۔''

وَ مِنۡ اٰیٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِكُمۡ وَ اَلۡوَانِكُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ O وَ مِنۡ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ

ابۡتِغَـآؤُكُـمۡ مِّـنۡ فَـضۡـلِـهٖ اِنَّ فِـى ذٰلِكَ لَاٰيٰـتٍ لِّـقَـوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ O (30—23-22)

ترجمہ:''اوراس کے نشانات میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمہارے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف ہے، بے شک اس میں اہلِ علم کے لئے نشانات ہیں۔اوراس کے نشانات ہی سے تمہارا دن اور رات کو سونا اور رزق کی صورت میں اس کے فضل کی جستجو کرنا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانات ہیں جو سنتے ہیں''

وَاٰيَةٌ لَّهُمۡ اَنَّا حَمَلۡنَا ذُرِّيَّتَهُمۡ فِى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ O (36-41)

ترجمہ:''اوراس بات میں ان کے لئے خدا کی (ہستی اور صفات) کا ایک نشان ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کردیا۔''

حواس کا م سے لے کر مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرنا اور دل سے کام لے کر ان پر غور وفکر کرنا اوران سے صحیح صحیح نتائج اخذ کرنا مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایسا کرنا قرآن کے نزدیک صحیح عقائداور صحیح اعمال کی بنیاد ہے۔ جولوگ آنکھیں تو رکھتے ہیں لیکن دیکھتے نہیں، کان تو رکھتے ہیں لیکن سنتے نہیں اور دل رکھتے ہیں لیکن سوچتے نہیں ان کو چوپائیوں سے بدتر اور عذابِ جہنم کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

وَ لَـقَـدۡ ذَرَاۡنَـا لِـجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَـا وَ لَهُـمۡ اَعۡيُـنٌ لَا يُبۡـصِـرُوۡنَ بِهَا وَ لَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ (07-179)

ترجمہ:''اور بے شک ہم بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کی طرف ہانک دیں گے جن کے دل ہیں لیکن ان سے سوچتے نہیں، آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں، کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔''

جولوگ اپنے حواس سے کام نہیں لیتے اوراپنے دلوں سے نہیں سوچتے یا تعصب کی وجہ سے غلط سوچتے ہیں ان سے اپنی ان قوتوں کو ضائع کرنے کے لئے باز پرس کی جائے گی۔

اِنَّ السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَان عَنۡهُ مَسۡئُوۡلًا O

ترجمہ: ''بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے پوچھا جائے گا''

قرآن حکیم نے آسمانوں اور زمین میں مظاہر قدرت کو دیکھنے کے بعد ان پر غور وفکر کے بغیر آگے گزر جانے سے منع کیا ہے؛ کہ ایسا کرنے سے خدا کی معرفت کے مواقع ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور انسان کی محبت اور شخصیت کا ارتقا نہیں ہوتا۔

وَ كَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَ هُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ

ترجمہ: ''آسمانوں میں اور زمین میں کتنے ہی نشانات (خدا کی ہستی اور صفاتِ حسن کے) ایسے ہیں کہ یہ ان سے گزرتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں (اور ان پر غور وفکر نہیں کرتے)۔''

کسی مظہرِ قدرت یا آیت اللہ پر غور وفکر ترک کر دینا اس سے پہلے کہ اس کی حقیقت پوری طرح سے منکشف ہو یہ بھی اس سے اعراض ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو یہ حکم ہے کہ جب موجوداتِ قدرت میں سے کوئی چیز اس کے نوٹس میں آئے تو اسے نظر انداز نہ کرے بلکہ اس کے مشاہدہ اور مطالعہ کا حق ادا کرے اس کی حقیقت اور اصلیت کو پوری طرح سے سمجھے اور خدا کی حکمتیں جو اس کے اندر پوشیدہ ہیں ان سے پوری طرح واقف ہونے کی کوشش کرے۔ گویا جب تک کسی چیز کی حقیقت پوری طرح سے واضح نہ ہو جائے، مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تحقیق وتجسّس کو جاری رکھے۔ حضور ﷺ نے اُمت کو ایک دعا سکھائی ہے جو اس مطلب کی تائید کرتی ہے:

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الۡحَقَّ حَقًّا وَّ ارۡزُقۡنَا اتِّبَاعَهٗ وَ اَرِنَا الۡبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ ارۡزُقۡنَا اجۡتِنَابَهٗ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الۡاَشۡيَاءَ كَمَا هِىَ

ترجمہ: ''اے خدا ہم کو صداقت بطور صداقت کے دکھا اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق دے اور جھوٹ بطور جھوٹ کے دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ اے خدا ہمیں اشیاء کو اسی طرح دکھا جیسی وہ درحقیقت ہیں۔''

حضور ﷺ کی یہ دعا گویا سائنسی طریق تحقیق کی حمایت کرتی ہے کیونکہ سائنسی

طریق تحقیق جو اس بات پر زور دیتا ہے کہ مشاہدہ کے نتائج کو کامل احتیاط سے اخذ کیا جائے اور انتہائی طور پر درست کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کا مقصد یہی ہے کہ اشیاء ویسی ہی نظر آئیں جیسی کہ وہ درحقیقت ہیں۔

تفکر فی الخلق کے قرآنی ارشاد پر عمل کا لازمی نتیجہ سائنسی علوم کی تخلیق اور تکمیل ہے

قرآن کی رُو سے خدا کی خالقیّت اور ربوبیت کے نشانات کائنات کی تینوں سطحوں پر موجود ہیں۔ مادی دنیا کے مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآن حکیم، چاند، سورج اور ستاروں کی حرکت کا، برق وسحاب کا، ہواؤں کے چلنے کا، اختلاف لیل ونہار کا، مینہ برسنے کا، چاند کے گھٹنے بڑھنے کا، پہاڑوں کا، زمین کی ہموار سطح کا، پہلے آسمان اور زمین کے یکجا ہونے اور پھر الگ الگ ہونے کا اور اس طرح کے اور مظاہر قدرت کا ذکر کر کے ان کے مشاہدہ اور مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ اگر ہم ان مظاہر قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ کا حق ادا کر کے ان کی حقیقت اور اصلیت کو پوری طرح سے سمجھ لیں اور ان کے تمام رموز واسرار سے اور خدا کی ان تمام حکمتوں سے جو ان کے اندر پوشیدہ ہیں پوری طرح آگاہ ہو جائیں تو نتیجہ یہ ہو گا کہ تمام طبعیاتی علوم (PHYSICAL SCIENCES) وجود میں آجائیں گے۔ اس کی وجہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے یہ ہے کہ تمام سائنسی حقائق ایک سلسلہ یا نظام بناتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ عملی اور عقلی ربط وضبط رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف دلالت اور راہ نمائی کرتے ہیں۔

اسی طرح حیاتیاتی دنیا کے مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآن حکیم زمین سے روئیدگی کے نمودار ہونے کا، لہلاتے کھیتوں کا، غلہ کے پیدا ہونے کا، مختلف رنگوں اور ذائقوں کے پھلوں کا، پانی سے ہر جاندار کے زندہ ہونے کا، کیچڑ سے انسان کی تخلیق کے آغاز کا، زمین سے نسل انسانی کے اُگنے کا، زمین میں ہر قسم کے جانداروں کے پھیل جانے کا، پرندوں کے اُڑنے کا، سواری کے کام آنے والے اور دودھ دینے والے چوپایوں کا، نباتات اور حیوانات کے ازواج کا، اونٹ کی حیرت انگیز جسمانی ساخت کا، انسان کے قوت فہم ودید وشنید کا اور ماں کے رحم میں انسانی

جنین کی حالتوں کے تدریجی تغیر کا اور اسی طرح کے مظاہر قدرت کا ذکر کر کے ان کے مشاہدہ اور مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ہم ان مظاہر قدرت کا پورا مشاہدہ اور مطالعہ کریں یہاں تک کہ ان کے تمام اسرار و رموز سے آشنا ہو جائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام حیاتیاتی علوم (BIOLOGICAL SCIENCES) مکمل طور پر وجود میں آ جائیں گے۔

پھر اسی طرح سے نفسیاتی یا انسانی دنیا کے مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآن حکیم انسانی تاریخ کے بعض اہم واقعات اور قوانین کا اور انسانی فطرت کے بعض بنیادی قواعد اور حقائق کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح سے تاریخ عالم میں پے در پے ایسے انسانوں کا ظہور ہوتا رہا جنھوں نے کہا کہ وہ خدا کے رسول ہیں اور لوگوں کو یہ بتانے آئے ہیں کہ ان کا سچا معبود خدا ہے جو اس کائنات کا خالق ہے۔ کس طرح سے رسولوں کی دعوت کو بعض لوگوں نے قبول کر لیا اور بعضوں نے قبول نہ کیا۔ کس طرح سے قبول کرنے والوں کے دل اطمینان اور مسرت سے بھر گئے یہاں تک کہ وہ خدا کے لئے طرح طرح کی مصیبتیں اور ذِلتیں اٹھانے بلکہ مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ کس طرح انکار کرنے والوں کو تباہی اور بربادی کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ وہ نیست نابود ہو گئے۔ کس طرح سے خدا کی محبت یا دین انسانی کی فطرت میں ہے جو لازوال اور غیر مبدل ہے۔ کس طرح سے خدا کی عبادت انسان کے دل کو مطمئن کرتی ہے۔ کس طرح سے نوعِ انسانی اپنی فطرت کے اصلی تقاضوں کو بھولنے اور مختلف قسم کے غلط اور جھوٹے معبودوں کو اپنانے کی وجہ سے ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے اور کس طرح سے ان کے اتحاد کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ وہ اپنے سچے معبود کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ کس طرح سے انسان کے دل میں نیک و بد، درست اور نادرست اور خوب و زشت کو پرکھنے کا ایک معیار موجود ہے جو خواہ انسان اس سے گریز کے بہانے بناتا رہے ہر وقت اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ پھر انسانی لاشعور کے بعض ایسے وظائف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جن کو ماہرین نفسیات نے حال ہی میں سمجھا ہے قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح سے انسانی فرد کے چھوٹے اور بڑے اعمال اس کے وجود میں ایک نامۂ اعمال صورت میں محفوظ رہتے ہیں اور کس طرح سے یہ نامۂ اعمال موت کے بعد انسان کے سامنے کھل جائے گا اور وہ کہے گا کہ میرا کوئی چھوٹا یا بڑا فعل ایسا نہیں جو

اس کے اندر لکھا نہ گیا ہو وعلیٰ ہذا القیاس۔ اگر ہم ان حقائق کا پورا پورا تجزیہ کریں اور ان کے معانی اور مطالب اور ان کے نتائج اور مضمرات اور اسباب اور عوامل پر پوری طرح سے حاوی ہو جائیں تو تمام انسانی اور نفسیاتی علوم (HUMAN SCIENCES) اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ وجود میں آجاتے ہیں۔

گویا اگر ہم قرآن حکیم کے اس ارشاد پر کہ مظاہر قدرت پر پوری طرح سے غور وفکر کرو، عمل کریں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام سائنسی علوم آیات اللہ کے ایک سلسلہ کے طور پر وجود میں آجاتے ہیں۔ مسلمانوں نے جو سائنسی طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی اس کی اصل قرآن کی یہی تعلیم ہے۔

منکرین خدا کا مشاہدہ ومطالعہ کائنات

شاید یہاں یہ سوال کیا جائے گا کہ اگر مظاہر قدرت آیاتُ اللہ ہیں تو کافر یا دہریہ قسم کے سائنسدان جو مظاہر قدرت کا مشاہدہ ومطالعہ کرتے ہیں خدا پر ایمان کیوں نہیں لے آتے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک منکرِ خدا کا دل غیر اللہ کی محبت سے معمور ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ مظاہر قدرت کو اس غلط محبت کی روشنی میں دیکھتا ہے اور ان کو اپنے غلط معبود کے ساتھ متعلق کرنے کی کوشش کرتا ہے چونکہ اس کا تصورِ حقیقت غلط ہوتا ہے وہ مظاہر قدرت کو دیکھ کر ان سے صحیح نتائج اخذ نہیں کرسکتا، ظاہر ہے کہ اگر مظاہر قدرت آیاتُ اللہ یعنی خدا کی ہستی اور اس کی صفات، خالقیت وربوبیت پر دلالت کرنے والے نشانات ہیں تو ان کو آیاتُ اللہ کے طور پر یعنی خدا کی خالقیّت اور ربوبیت کے عقیدہ کی روشنی میں ہی ٹھیک طرح سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اگر ہم ان کے مشاہدہ اور مطالعہ کو خدا کے عقیدہ سے الگ کردیں تو ان کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکیں گے کیونکہ اس صورت میں ہم ان کو کسی اور قائم مقام عقیدہ کی روشنی میں یعنی کسی جھوٹے خدا کے عقیدہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے مثلاً مادہ کو ہی ایک قادر مطلق، خالق اور رب سمجھ لیں گے اور چونکہ یہ عقیدہ غلط ہوگا وہ ہماری غلط راہ نمائی کرے گا اور ان کے مشاہدہ اور مطالعہ سے ہم جن نتائج تک پہنچیں گے وہ غلط یا ناتمام اور ناقص ہوں گے۔

آنکھوں کی بینائی اور دل کا اندھا پن

قرآن کی رُو سے خدا کائنات کا نور ہے (اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْض) اس نور سے کائنات کا ایک ایک ذرّہ روشن ہے اگر ہم اس نور کے بغیر کائنات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تو ہمارا حال ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص رات کے وقت کسی کمرہ کے برقی قمقمے کو بجھا کر گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چیزوں کو ٹٹولتا پھرے۔ ایک مؤمن کو مظاہر قدرت میں تخلیق اور تربیت اور تحفظ اور تحسین اور تجمیل اور تنظیم اور رحمت اور عدل اور حکمت اور علم اور قدرت اور زندگی اور بصارت اور سماعت کے آثار آشکار نظر آتے ہیں۔ اس لئے اس کا یہ یقین اور محکم ہو جاتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جو رب اور رحیم اور قدیر اور حفیظ اور جمیل اور حکیم اور علیم اور قدیر اور سمیع اور بصیر اور حیّ و قیوم ہے۔ اور اسے یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ کوئی منکر خدا یہ کہے کہ کائنات میں تخلیق تو موجود ہے لیکن خالق نہیں، ربوبیت تو موجود ہے لیکن رب نہیں، تحفظ موجود ہے لیکن کوئی حفیظ نہیں، جمال موجود ہے لیکن کوئی جمیل نہیں اور رحمت اور عدل اور حکمت اور علم اور قدرت اور زندگی اور بصارت اور سماعت تو موجود ہے لیکن کوئی رحیم یا عادل یا حکیم یا علیم یا قدیر یا سمیع و بصیر و حیّ و قیوم نہیں۔ لیکن یہ بات منکرِ خدا کی بس کی نہیں۔ اس کو کائنات میں نہ خدا کی صفات نظر آسکتی ہیں اور نہ خدا۔ کیونکہ اس کے دل کی فطری محبت جو سچے خدا کے لئے پیدا کی گئی تھی کسی اور جھوٹے خدا کے لئے مصروف کار ہے۔ لہٰذا سچے خدا کے لئے مہیا نہیں ہوسکتی۔ وہ حقائق کی غلط ترجمانی کرتا ہے کیونکہ اس کی آنکھیں تو دیکھتی ہیں لیکن دل نہیں دیکھتا۔ اس حالت کے متعلق قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ مظاہر قدرت کا مشاہدہ و مطالعہ کرنے کے بعد بھی غلط نتائج پر پہنچتے ہیں ان کی آنکھیں تو اپنا کام کرتی ہیں لیکن دل نہیں دیکھتے۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ O

''آنکھیں اندھی نہیں ہوتی (وہ سب کچھ دیکھتی ہیں) لیکن دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں (کہ غلط سوچتے اور غلط مشاہدات سے غلط نتائج نکالتے ہیں)

اقبال نے اس مضمون کو ایک شعر میں ادا کیا ہے:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

قرآن حکیم کی اس آیت میں اور اقبال کے اس شعر میں بھی دل بینا سے مراد ایسا دل ہے جس میں خدا کی محبت کا فطری جذبہ ابھی غیر اللہ کی محبت کے لئے اس طرح سے صرف نہ ہوا ہو کہ پھر خدا کی محبت کے لئے مہیا نہ ہو سکے یعنی جس میں غیر اللہ کی غیر فطری محبت سے بے اطمینانی ابھی باقی ہو جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی بے اطمینانی تھی کہ وہ کسی ستارے، چاند یا سورج کو زیادہ دیر تک اپنا رب نہ مان سکے۔

انسان کی فطرت اس طرح سے بنائی گئی ہے کہ جہاں بھی، جس وقت بھی اور جس وقت تک بھی وہ سچے خدا کے عقیدہ سے الگ رہے اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس جگہ اس وقت اور اس وقت تک وہ سچے خدا کے عقیدہ کی بجائے عملی طور پر کسی اور خدا یعنی جھوٹے خدا کے عقیدہ کو اختیار کرے اور اس کو کائنات کا خالق اور مالک اور ربّ سمجھے، خواہ زبانی طور پر اس بات کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔ نظریاتی غیر جانبداری یا بے یقینی انسان کے لئے ناممکن ہے انسان کا دل کبھی کسی معبود یا خدا کے بغیر نہیں رہ سکتا اور انسان کوئی عمل ایسا نہیں کر سکتا جو اس کے دل سے سرزد نہ ہو۔ جب سچے خدا کا عقیدہ انسان کے دل سے ہٹ جائے اسی وقت کسی جھوٹے خدا کا متبادل عقیدہ اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اگر انسان کا کوئی عمل (خواہ اس کی نوعیت روحانی ہو یا علمی یا اخلاقی یا جمالیاتی) سچے خدا کے عقیدے کے ماتحت سرزد نہ ہو تو وہ کسی جھوٹے خدا کے عقیدہ کے ماتحت سرزد ہوتا ہے اور غلط ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن کی تعلیمات کے مطابق بتوں سے عملی کفر کرنا خدا پر عملی ایمان لانے کی لازمی شرط ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

ترجمہ: ''جو شخص طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے وہ ایک ایسے مضبوط حلقہ کو گرفت میں لیتا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا''

ہر قسم کے بتوں سے انکار خدا کے اقرار کی ایک ایسی شرط ہے جو انسان کی فطرت نے اس پر عائد کر رکھی ہے۔ اس سے گریز سائنسدان کے لئے سائنسی تحقیقات اور تعلیمات کے

میدان میں بھی ممکن نہیں۔

قرآن کے فلسفۂ سائنس کی بنیادیں

ان مفروضات سے ظاہر ہے کہ علم کائنات کے متعلق قرآن کے فلسفہ کی بنیاد یہ ہے کہ مصنوع کا علم بغیر صانع کے، اور صانع کا علم بغیر مصنوع کے ممکن نہیں دونوں ایک دوسرے کے علم کے لئے لازم وملزوم ہیں کیونکہ مصنوع صانع کے داخلی محاسن اور کمالات کا ایک خارجی مظہر ہوتا ہے؛ لہٰذا صانع کی صفات کا علم مصنوع کے علم کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ کائنات مصنوع اور مخلوق ہے اور خدا اس کا صانع اور خالق ہے۔ لہٰذا کائنات کا صحیح علم خدا کے علم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم خدا کی معرفت چاہتے ہیں تو ہمیں کائنات پر۔ جو خدا نے پیدا کی ہے۔ غور وخوض کرنا پڑے گا یہاں تک کہ ہم اس کے اندر خدا کی صفاتِ خالقیت وربوبیت کا جلوہ دیکھ لیں۔ اور اگر ہم کائنات کو ٹھیک طرح سے سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کا مشاہدہ اور مطالعہ اس عقیدہ کی روشنی میں کرنا پڑے گا کہ خدا اس کا خالق اور رب ہے اور اس کی صفات اس میں جلوہ افروز ہیں۔

مظاہر قدرت آیاتُ اللہ کیوں ہیں

شاید یہاں یہ سوال کیا جائے گا کہ اگر مظاہر قدرت خدا کے عقیدہ کی طرف راہ نمائی نہیں کرتے بلکہ خدا کا عقیدہ اور مظاہر قدرت دونوں بیک وقت ایک دوسرے کی صحیح حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں تو پھر وہ آیاتُ اللہ کس طرح سے ہیں۔ لیکن یہ اعتراض قرآن حکیم کے طریق تعلیم کو۔ جو انسان کی فطرت کے حقائق پر مبنی ہے۔ نظر انداز کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ مظاہر قدرت آیات اللہ اس لئے نہیں ہیں کہ وہ خود بخود کسی منکر خدا کے لئے خدا کی صفت خالقیت اور ربوبیت کا منطقی یا استدلالی ثبوت بہم پہنچاتے ہیں، بلکہ وہ آیات اللہ اس لئے ہیں کہ ان کی سچی حقیقت جو علمی اور عقلی طور پر سچی ہو صرف خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے عقیدہ سے عقلی اور علمی مطابقت رکھتی ہے لیکن ان کی سچی حقیقت کو جاننے کے لئے بھی حقیقت کائنات کے صحیح تصور کی صورت میں ایک صحیح ذہنی پس منظر یا صحیح فلسفہ کی ضرورت ہے کیونکہ اگر یہ پس منظر غلط ہوگا تو وہ ایک حجاب بن جائے گا جو ان کی سچی حقیقت کو نظروں سے اوجھل کردے۔

سائنس کے لئے کسی عقیدہ کا پس منظر ضروری ہے

حقیقتِ کائنات مادہ ہے یا خدا۔ ہم اس سوال کا جواب جو بھی دیں گے ہمارے پیدا کیے ہوئے سائنسی علوم اس نوعیت کے ہوں گے کہ وہ ہمارے اس جواب کے ساتھ مطابقت رکھیں گے۔ ہماری سائنس ہمارے حقیقتِ کائنات کے تصور سے الگ کوئی صورت اختیار نہیں کرسکتی۔ سائنس ہمیشہ حقیقت کائنات کے کسی تصور کے گہوارہ میں پرورش پاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اگر یہ تصور صحیح ہوگا تو سائنس کی ترقی یا پرورش اپنے کمال کو پہنچے گی ورنہ رُک جائے گی۔ یہی سبب ہے کہ اب یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ سائنس کسی فلسفیانہ پس منظر کے بغیر نہیں ہوتی۔ اس وقت روس میں جو سائنس کے میدان میں دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک سمجھا جاتا ہے، سائنس کا فلسفیانہ پس منظر مارکسزم کا عقیدہ ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کے حامی ممالک میں سائنس کا فلسفیانہ پس منظر یہ عقیدہ ہے کہ اگر خدا کا عقیدہ سائنس کی بنیاد بنایا جائے تو سائنس کی نشوونما نہیں ہوسکتی اس کے برعکس قرآن کے نقطہ نظر سے سائنس کا فلسفیانہ پس منظر یہ عقیدہ ہے کہ جب تک خدا کے عقیدہ کو سائنس کی بنیاد نہ بنایا جائے۔ سائنس کی نشوونما اپنے کمال کو نہیں پہنچتی۔

قرآن کا طریق تعلیم

قرآن حکیم کا طریق تعلیم فطرت کے مطابق ہے اور وہ یہ نہیں کہ وہ اپنے مخاطب کو قائل کرنے کے لئے صغریٰ اور کبریٰ کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی منطقی دلائل دیتا ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنے مخاطب کے وجدان کو بیدار کرتا ہے جس سے وہ براہِ راست ایک ایسی حقیقت کا احساس یا مشاہدہ کرلیتا ہے جس کی طلب اس کی فطرت میں پہلے ہی سے موجود ہوتی ہے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (29-49)

(ترجمہ) ''بلکہ قرآن ایسی واضح آیات پر مشتمل ہے جو دانایان راز کے سینوں میں پہلے سے ہی موجود ہیں۔''

جس خدا نے قرآن نازل کیا ہے اسی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس نے اپنی محبت انسان کی فطرت میں رکھی ہوئی ہے اور اس کی یہی فطری لاشعوری محبت اسے خدا کی

طرف راہ نمائی کرے گی۔ جب انسان کسی جھوٹے خدا کو مانتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کا وجدان غلطی سے شہادت دیتا ہے کہ وہ سچا خدا ہے اور وہ اس غلط وجدانی شہادت کو فی الفور قبول کر لیتا ہے تا کہ اپنی فطرت کے ایک زوردار اور نا قابل التوا تقاضا کو پورا کرے۔ عقلی یا منطقی ثبوت کی بنا پر نہ انسان اپنے جھوٹے خدا کو مانتا ہے اور نہ سچے خدا کو۔ لہٰذا قرآنِ حکیم منکر خدا کے لئے خدا کی ہستی اور صفات کا استدلالی یا منطقی ثبوت نہیں دیتا؛ کیونکہ سننے والے نے ایک جھوٹا خدا پہلے ہی سے استدلالی یا منطقی ثبوت کے ساتھ مان رکھا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم جب انسان کو دعوت دیتا ہے کہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ یا مطالعہ آیاتُ اللہ کے طور پر کرو تو اس کا مقصود دراصل یہ ہوتا ہے کہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ یا مطالعہ کر کے یہ دیکھو کہ آیا یہ مظاہر تمہارے جھوٹے خدا کی صفات کے ساتھ علمی اور عقلی مناسبت رکھتے ہیں یا اس سچے خدا کی صفات کے ساتھ جس کی طرف قرآن تمہیں بلاتا ہے اور جس کی محبت اور طلب تمہاری فطرت میں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر انسان مظاہر قدرت کا مطالعہ آیاتُ اللہ کے طور پر کرے گا تو یہ عمل اس کی جستجو کی منزل کا سراغ اور اس کے فطرتی جذبہ محبت کی تشفی کا سامان بن جائے گا قرآن جب یہ کہتا ہے انسان کا سچا مقصود، معبود یا مطلوب خدا ہے تو وہ کوئی نئی بات نہیں کہتا بلکہ وہی حقیقت بیان کرتا ہے جو انسان کی فطرت میں غفلتوں کے بوجھ سے دبی ہوئی اور تعصّبات کے پردوں میں چھپی ہوئی موجود ہے اور جو خود اُبھرنا اور بے نقاب ہونا چاہتی ہے۔ قرآن کائنات کے مشاہدہ اور مطالعہ کی دعوت دے کر اس مخفی اور سوئی ہوئی حقیقت کو آشکار اور بیدار کرتا ہے۔ (جاری ہے)

فری اسلامی تعلیم کے لیے

سکالرشپ برائے سعودی یونیورسٹیز

وہ حضرات جنھوں نے پچھلے پانچ سالوں میں ایف اے یا اس کے مساوی، یا کسی دینی مدرسے سے العالیہ کی سند حاصل کی ہو اور ان کی عمر 23 سال سے زائد نہ ہو، یا پچھلے پانچ سالوں میں بی اے کی سند حاصل کی ہو اور عمر 30 سال سے زائد نہ ہو۔ رابطہ: پروفیسر ڈاکٹر رانا خالد مدنی (فاضل مدینہ یونیورسٹی پی ایچ ڈی) سابق مترجم مواجہ شریفہ، مسجد نبوی، مدینہ منورہ، چیئرمین ادارہ اشاعت اسلام لاہور۔ 0306-4476055

تنسیخ خلافت 28 رجب 1342ھ (3 مارچ 1924ء) کے بعد......اُمت مسلمہ کی حالت اور ـــــ یورپی ابلیسی منصوبے

انجینئر مختار فاروقی

ان صفحات میں آج سے ایک صدی قبل تنسیخ خلافت کا پس منظر، منظر اور اُمت مسلمہ بالخصوص جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی طرف سے کی جانے والی کوششوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ عالمی سطح پر 1969ء میں OIC کا قیام اور اس کے تحت وقوع پذیر ہونے والی سرگرمیوں کا خلاصہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود غیر مسلم (صلیبی صہیونی مغربی) قوتوں کے کروفر، ترقی اور مادّی برتری کے سامنے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہنوز ـــــ روزِ اوّل والی کیفیت ہے۔

اُمت مسلمہ کی موجودہ ذِلت اور پستی کی کیفیت کے جاری رہنے کے کئی اسباب ہیں جو داخلی بھی ہیں اور خارجی بھی۔ اور یہ اسباب اپنی مضبوط گرفت کے باعث بظاہر ناقابل شکست نظر آتے ہیں۔ اس صورتِ حال کے خارجی اثرات بھی بہت اہم ہیں تاہم یہاں ہم پہلے اُمت مسلمہ کے چند ایسے داخلی اسباب کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں جو ان کے شاندار مستقبل کی راہ میں سدّراہ ہیں۔ ہم یہاں عنوانات اور اشارات کے طور پر ہی ان اسباب کا تذکرہ کر رہے ہیں ورنہ ہر عنوان کی تشریح میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، یہ اس لیے تا کہ ہم اپنے موضوع سے زیادہ دور نہ ہو جائیں۔ وہ اہم داخلی اسباب درج ذیل ہیں:

● دورِ غلامی (ملکاً جبریا) کے منحوس اثرات ● اپنے شاندار ماضی سے ناواقفیت ● مغربی ترقی (دشمنوں کے کرّوفرّ) سے مرعوبیت اور داخلی احساسِ کمتری ● دنیا کے قانون عروج و زوال سے بے خبری اور مایوسی کا غلبہ ● مسلمانوں کے آسودہ حال طبقات کی مغرب پرستی کی پالیسی ● نوجوان نسل میں نصب العین کا فقدان اور بے مقصدیّت کا غلبہ ● کتابِ ہدایت قرآن سے دوری ● عالمی سطح پر اُمت مسلمہ کے باہمی روابط کا فقدان ● اسلام کی عالمگیریت اور آفاقیت کے صحیح شعور کا فقدان ● فرقہ واریت کی شدّت ● صدیوں کے زوال کے باعث برداشت میں کمی اور فوری مثبت نتائج کی خواہش ● زندہ قوموں کے اوصاف کا فقدان ● ذاتی مفادات سے پرستش کی حد تک چمٹے رہنا ● اجتماعی کامیابی میں ذاتی کامیابی کے اُصول سے الرجی (ALERGY) کی کیفیت ● خودغرضی، لالچ، جلد امیر بن جانے جیسی خواہشات کا سیلاب ● مسجد و محراب میں بیٹھے مذہبی پیشواؤں کی کم نگاہی اور نااندیشی ● مردانِ کار اور مخلص رہنماؤں کا قحط ● آسودہ حال طبقات بالخصوص نوجوانوں میں بے حیائی کا فروغ ● فارغ اوقات کے بیہودہ مشغلے ● جواء اور شراب کا عام ہونا ● لہو ولعب اور غیر تعمیری سرگرمیوں میں سبقت ● خواتین کا اپنی ذمہ داریوں سے گریز کرتے ہوئے گھر سے باہر کی سرگرمیوں میں انہماک ● حکمرانوں کی لُوٹ کھسوٹ ● بعض مذہبی رہنماؤں اور روحانی پیشواؤں کی دنیا پرستی کی زندگی ● حضرت محمد ﷺ کے طریقوں اور رویوں کو اپنانے سے گریز ● حیوانی خواہشات اور Life Style اپنانے میں آگے نکلنے کی دوڑ ● اہل علم کا اپنی اپنی رائے پر ڈٹ جانا اور اِفہام وتفہیم سے گریز ● جذبۂ جہاد کا مٹ جانا ● انسانیت کی اصلاح اور تعمیری جذبوں کا معدوم ہوجانا۔

اُوپر درج کردہ اسباب کسی بھی قوم کے دورِ زوال کی سرگرمیوں کا ایک آئینہ ہیں۔ ذرا سی کمی بیشی کے فرق کے ساتھ ذِلت ومسکنت اور غلامی کے یہی تمغے ہیں جو محکوم اور تن آسان قومیں تاریخ میں اپنے سینوں پر سجائے اپنے آقاؤں کی وفاداری کا دَم بھرتے نظر آتے ہیں۔ حکمران اس طرزِ عمل میں نمایاں ہوتے ہیں اور عوام ذرا پیچھے مگر اس میں سبقت کا جذبہ دونوں میں نمایاں ہوتا ہے۔

ہر دور میں دنیا میں محکوم اور غلام قوموں کی موجودگی کا دوسرا فریق ظالم، غاصب، خدائی کے دعویدار، مستبد، مطلق العنان اور سفّاک حکمران اور اُن کی قومیں ہوتی ہیں۔

مسلمانوں کی موجودہ غلامی اور ذلت کے دور میں یورپی اقوام اپنی استبدادی قوت، بے رحم استعماری سوچ، انسان دشمن ہتھکنڈوں اور حیوانی طرزِ حیات کے ساتھ حکومتی ایوانوں میں براجمان ہیں۔ سائنسی ترقی اور صنعتی برتری اس پر مستزاد ہے۔ آج کی یہ مقتدر قوتیں بظاہر یورپی اقوام ہیں، مگر در پردہ ایک نادیدہ قوت ہے جو لگ بھگ تین ہزار سال سے اپنے ذاتی مفاد اور لوٹ کھسوٹ کے لئے عالمی حکومت کی خواہاں ہے اس قوت کو صہیونیت (ZIONISM) کہتے ہیں۔ اس پوشیدہ عالمی طاقت کے اغراض و مقاصد کیا ہیں اور وہ ان مقاصد میں کیسے آگے بڑھتی ہے اور اس وقت اس کا کہاں پڑاؤ ہے اور اگلی منزل کونسی ہے ـــــــ یہ تحقیق و جستجو کا وسیع باب ہے جس کی طرف بڑھنے والا ہر شخص، جماعت یا سوسائٹی اپنے سامنے سارے دروازے بند پاتی ہے۔

علامہ اقبال نے ابلیس کی مجلس شوریٰ نامی ایک نظم (1936ء) میں عالمی سطح پر اس ابلیسی سوچ کے تانے بانے اور عالم اسباب میں انسانی سطح پر اس کے ایجنٹ اور فرنٹ مین (FORNT-MAN) قوتوں کا ذکر کیا ہے اور دنیا میں ہمیشہ جاری ایک خیر اور شر کی جنگ کا نقشہ کھینچا ہے (اور یہ ان کا حاصل مطالعہ اور زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہے)۔ خیر کے نمائندے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکار یا دورِ حاضر میں مسلمان ہیں۔ جبکہ شر کا نمائندہ ابلیس اور اس کے پیروکار ہیں جو انسانوں اور جنوں میں سے فعّال اور سرگرم عناصر ہیں۔ خیر و شر کی یہ جنگ آج اسلام اور کفر یا اسلام اور تثلیث کے پیروکاروں اور ZIONS کے درمیان جاری ہے۔ اسلام کے مقابل میں بنی اسرائیل کا یہ بگڑا ہوا گروہ ہے (جو گزشتہ تین ہزار سال سے ابلیس کا آلہ کار بنا ہوا ہے) ابلیس کو اس صہیونی گروہ پر فخر اور ناز ہے اور خلافت کا خاتمہ بھی عالم اسباب میں اسی گروہ کا کارنامہ تھا (جیسے سورۃ الانفال میں ذکر ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر مشرکین مکہ کی پشت پناہی ابلیس لعین خود کر رہا تھا) خلافت کے خاتمے کے لئے اس گروہ نے کیا اقدامات کئے اور اس کے بعد یہ گروہ کن مراحل سے گزر کر آج کہاں کھڑا ہے اس عالمی منظر نامے کا ایک 'خاکہ' علامہ اقبال کی یہ شاہکار نظم ہے جو ان کے مذہبی تصورات کی صحت کی علامت ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ (یاد رہے کہ مغربی برطانوی استعمار کے سائے میں غلام قوم کے ایک فرد کے لیے اس سے زیادہ واضح الفاظ میں بات کہنا ممکن نہیں تھا)

ابلیس اس دنیا اور اس میں آباد انسانوں کے بارے میں کہتا ہے:

؎ یہ عناصر کا پرانا کھیل! یہ دُنیائے دوں!
ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوں!

مغربی تہذیب کے عالمی غلبے اور مذہب سے دوری کے بارے میں ابلیس کا خیال ہے

؎ میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں

عالم اسلام کے بے عمل مسلمانوں اور انگریزوں کی خوشامدی اشرافیہ پر بھی ابلیسی جادو چل چکا ہے۔

؎ میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں!

یورپی طاقتیں (بالخصوص برطانیہ، فرانس اٹلی وغیرہ) ترقی اور طاقت کے نشے میں مذہب سے دور ہیں جبکہ عثمانی حکومت و جنوبی ایشیا کے مخلص مسلمان سادگی اور بے عملی کی وجہ سے بالعموم رُوح مذہب سے تہی دست ہیں۔ چنانچہ ابلیسی منصوبے غالب ہیں۔ ایک مشیر ابلیس کے حضور یوں ابلیس کے دل کی بات کہتا ہے:

؎ اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام

؎ ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام

بیسویں صدی کے آغاز میں ترکی 'مردِ بیمار' تھا تو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی غالب اکثریت انگریز سے خوش۔ آزادی اور خداشناسی کا جذبہ ڈھونڈھے سے نہیں ملتا۔

؎ آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مرجاتی ہے یا رہتی ہے خام!
یہ ہماری سعی پیہم کی کرامت ہے کہ آج

صوفی و ملا ملوکیت کے بندے ہیں تمام!
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام!

فرنگی منصوبے اور یورپی افکار و عمرانی نظریات سب کا خمیر دراصل ابلیسی (وصہیونی) سوچ سے اُٹھا ہے جو خدا بیزار، وحی دشمن، اخلاق دشمن اور انسان دشمن ہے۔ نظامِ ملوکیت، نظامِ جمہوریت، نظامِ اشتراکیت، نظریۂ وطنیت سب ابلیسی نظریات ہیں۔

چنانچہ ابلیس کے ذہن کی عکاسی ان اشعار میں ہے

؎ ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وُجودِ 'میر و سلطان' پر نہیں ہے منحصر

؎ تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر!

اور روس میں اشتراکی انقلاب سے فرنگی ابلیسی استعمار کو کسی موہوم خطرے کی نشاندہی.....

؎ روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب؟
وہ کلیم بے تجلی! وہ مسیح بے صلیب!
نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب!

؎ وہ یہودی فتنہ گر، وہ روحِ مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار

؎ فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار

_____ پر ابلیس کا زیرلب مسکراتے ہوئے یہ جواب _____ کہ

ہے میرے دست تصرف میں جہان رنگ و بو
کیا زمیں، کیا مہر و مہ، کیا آسمانِ تو تبو

اور نظم کے بین السطور میں واضح ہے کہ ماضی میں سقوطِ بغداد کا موقع ہو یا سقوطِ غرناطہ کا یا تنسیخ خلافت کا مرحلہ ہر دفعہ ابلیس نے ہی صہیونیت (یہود اور مسیحیت) کا خون گرمایا ہے اور اسلام کے خلاف اُبھارا ہے ملاحظہ ہو:

دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق
میں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہو

اور یہ بات یقیناً اکثر مسلمان عوام و خواص کے لئے نئی ہوگی کہ سیکولر یورپ اور آزاد خیال مغرب دراصل ابلیس کے ہاتھ میں تاش کے پتوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور خدا بیزاری، وحی دشمنی اور انسان دشمنی میں شیطان کے آلہ کار ہیں۔

کیا اِمامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو!

اور ابلیس کے نزدیک اس کے ایجنڈے کے راستے میں روسی انقلاب اصل خطرہ نہیں جو ــــــ حقیقت حال سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ اصل خطرہ اسلام ہے:

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہو

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

گویا تنسیخ خلافت کے لئے کئی صدیوں کی منصوبہ بندی کے پیچھے یہ ابلیسی سوچ کارفرما تھی کہ وہ صہیونی اور ابلیسی عالمی غلبے کے خواب اور لوٹ کھسوٹ کے پروگرام کے راستے میں رُکاوٹ ہے۔ کیوں کہ زوال کے باوجود ــــــ

خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ

کرتے ہیں اشکِ سحرگاہی سے جو ظالم وضو

اورآج ہماری آنکھیں کھول دینے کے لئے یہ کافی ہے کہ مغرب نے گزشتہ چھ صدیوں سے جس ابلیسی ایجنڈے کو آگے بڑھایا ہے اس کے پیچھے اصل سوچ کیا ہے جو پہلی جنگ عظیم میں عثمانی سلطنت کو حصے بخرے کرنے کا سبب بنی اور اس سے پہلے شمالی اور وسطی افریقہ، مشرقی یورپ، روسی ترکستان اور جنوبی ایشیا سے مسلم اقتدار کی بساط لپیٹے جانے کا سبب بنی ـــــ وہ یہ ہے کہ اسلام ہی یورپ کے لئے اصل خطرہ ہے۔

؎ جانتا ہے جس پر روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے

(واضح رہے کہ امریکہ میں تہذیبوں کا تصادم CLASH OF CIVILISATIONS نامی کتاب اور END OF HISTORY AND MANKIND وغیرہ کتابیں تو علامہ اقبال کی اس نظم اور تنسیخ خلافت کے عمل کے ساٹھ ستر سال بعد لکھی گئیں۔)

صہیونی سوچ ـــ کے لئے تنسیخ خلافت سے دو فائدے

مسیحی دنیا اور مسلم دنیا کی اقتدار کی جنگ کے پس پردہ کوئی نادیدہ قوت کارفرمانہ ہوتی اور یہ ایک وقتی اور مفرد عمل ہوتا اور وقت کے ساتھ تاریخ اپنے لئے خود راستہ بنا لیتی تو بعد کے واقعات کا بہاؤ کچھ اور ہوتا نہ کہ وہ واقعات جو مشرقِ وسطی میں ظہور پذیر ہوئے یا آج تک ہو رہے ہیں۔ مگر تنسیخ خلافت کے یورپی استعماری صہیونی منصوبے کے تحت ان کے دو مقاصد سامنے تھے بعد کے تمام واقعات ان دو مقاصد کی طرف پیش قدمی کو ظاہر کرتے ہیں اور وہ دو مقاصد یہ ہیں:

(1) مسلمانوں کی مرکزیت کے نشان 'خلافت' کو ختم کر کے عالم اسلام کے حصے بخرے کر دینا۔ اس مقصد کے لئے صہیونی دماغوں نے وطن پرستی (NATIONALISM) کا سیاسی فلسفہ پہلے ہی تیار کر رکھا تھا تاکہ مسلمان ممالک اور اس کے حکمرانوں کو پہلے آپس میں لڑا کر چھوٹی لسانی، نسلی اور جغرافیائی اکائیوں میں بانٹ دیا جائے اور بعد ازاں ایک ایک کر کے زیر کیا جا سکے اور یوں مسلمانوں کا خاتمہ کر کے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی کتاب اور ان کے ماننے والوں کا صفایا کیا جا سکے۔ اس جملے سے کئی قارئین چونکیں گے مگر قرآن

پاک میں دو جگہ یہی ارشاد ہے (گویا اسلام کے دورِ اوّل میں بھی ایسا تھا اور قربِ قیامت میں غلبہ ثانی اور نشاۃِ ثانیہ کے وقت بھی ایسا ہی ہوگا۔)

یہود، نصاریٰ اور مشرکین کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا سورۂ صف میں ارشاد ہے

یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ (08-61)

''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو منہ سے (پھونکیں مار کر) بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔''

اور سورۂ توبہ میں بھی مشرکین عرب کے بعد یہود و نصاریٰ کے تذکرے میں یہی آیت ذرا سے فرق کے ساتھ آئی ہے۔

یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ یَاۡبَی اللّٰہُ اِلَّاۤ اَنۡ یُّتِمَّ نُوۡرَہٗ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ (09-32)

''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونکیں مار کر) بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر رہنے کا نہیں، اگرچہ کافروں کو بُرا ہی لگے۔''

آج کی یورپی اقوام اور امریکہ (NATO) کا اصل چہرہ وہ ہے جو تنسیخ خلافت کے وقت ظاہر ہوا تھا اور قرآن مجید ہمیں بتا رہا ہے۔ کاش آج کے مسلمان عوام اور حکمران (اشرافیہ اور خواص) قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے کا شغف اختیار کریں تاکہ قرآن مجید کے بیان کردہ یہ حقائق ان کے ذہن نشین ہوں اور ان کے فیصلوں پر اثر انداز ہوں۔

(2) کرۂ ارضی یا روئے ارضی پر انسانوں کے لئے بے پناہ رحمت، انسان دوست، علم دوست، اخلاق دوست اور آسمانی ہدایت پر مبنی خدا شناسی کا اسلامی تعلیمات کے مطابق عالمی نظامِ خلافت کے قیام کے امکانات صہیونیت کے عالمی منصوبے کے مطابق تنسیخ خلافت اور مسلمانوں کو زیر کر لینے کے بعد ختم ہو جائیں گے۔ لہٰذا عالمی سطح پر اب صہیونیت کے دل کے داغ اور دبی ہوئی تین ہزار سالہ آرزُو ـــــ صہیونیت کے لیے عالمی غلبہ کا موقع پیدا ہو جائے گا جس کے لئے ضروری ہے کہ 70ء میں فلسطین سے نکالے گئے یہود کو فلسطین میں دوبارہ

آبادکاری کا موقع دیا جائے۔ یہ پروگرام ـــــــ تنسیخ خلافت کے اقدامات کا حصہ تھا اور بعد کے حالات و واقعات اور مشرقِ وسطیٰ کی تاریخ گواہ ہے کہ ایک صدی قبل 1903ء میں وائسرائے ہند لارڈ کرزن کے دورۂ مشرقِ وسطیٰ (خلیج فارس ایران کا ملحقہ اور موجودہ امارات کا علاقہ اور سعودی عرب کا شمال مشرق کا علاقہ) 1897ء کی سوئزرلینڈ میں عالمی یہودی کانگریس کا انعقاد، لارنس آف عربیا کا مشرق وسطیٰ میں کردار، عثمانی سلطنت سے حرمین شریفین کی علیحدگی، مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا قیام وغیرہ سب یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری کو ممکن بنانے کا پروگرام تھا۔

صہیونیت اور ابلیس کا ایک خوف

ابلیس اپنی آلہ کار قوتوں کے ذریعے تنسیخ خلافت کے بعد سے اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھا رہا ہے مگر ان مقتدر قوتوں پر اپنے تمام تر وسائل اور جنگی ساز و سامان کے باوصف ایک نادیدہ خوف طاری ہے (اور یہ خوف پہلے بھی طاری تھا) کہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے جتنا وہ دبا رہے ہیں اور مختلف ہتھکنڈوں سے بے دست و پا کر رہے ہیں ان عوامل کے ردّ عمل سے کہیں دنیا پر اسلام کی حقیقت آشکارا نہ ہو جائے اور کہیں مسلمان خود بھی جاگ نہ جائیں۔ علامہ اقبال نے ان دونوں باتوں کا اپنے کلام میں بڑے مثبت انداز میں ذکر کیا ہے۔ ایک طرف فرمایا:

ع مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے

اور دوسری طرف ابلیس کی زبانی یہ اشعار بھی دیکھئے:

؎ جانتا ہوں میں یہ اُمت حامل قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

؎ جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

؎ عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر ﷺ کہیں

اور ـــــــ

ے چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں

اور ـــــــ اسے ابلیس کی سرگرمیوں کا ہدف اور نعرہ (SALOGAN) کہئے کہ

ے ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے

یا علامہ اقبال کی دور بینی اور ملت اسلامیہ کی نبض شناسی کہ آج بھی اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت کا حال یہی ہے۔ فیا اسفا ـــــ و یا حسرتا

اگلی دفعہ ان شاءاللہ اس پر گفتگو ہوگی کہ

''تنسیخ خلافت کے پون صدی بعد بھی
'احیائے خلافت' کا نعرہ
اُمت مسلمہ کی توجہ کیوں نہیں حاصل کرسکا؟''

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ......

اپنے نام اور اپنے دوستوں کے نام رسالہ جاری کر

حکمت بالغہ کے مشن میں تعاون کریں

تاحیات رسالہ کے اجراء کے لیے زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون -/400 روپے صرف

فی پرچہ 40 روپے صرف

’بچے دو ہی اچھے‘ کے مغربی فلسفہ کے ہولناک نتائج

انجینئر مختار فاروقی

بہبودِ آبادی اور خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں کے پس منظر میں بدنیتی کی وجہ سے آج ترقی یافتہ مغربی ممالک کو ’چاہ کن را چاہ درپیش‘ کی صورت حال کا سامنا ہے۔فاعتبروا یا اولی الابصار ۔یہ مضمون 2010ء میں بھی چھپ چکا ہے اب ذرا سی لفظی تصحیح کے بعد دوبارہ شاملِ اشاعت ہے۔ (ادارہ)

بہبود آبادی اور خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر گزشتہ نصف صدی میں نام نہاد ترقی یافتہ اقوامِ مغرب نے خود براہِ راست اور صہیونی ادارہ اقوام متحدہ کے ذریعے جس طرح ترقی پذیر ممالک کو بے وقوف بنایا ہے وہ بڑی دردناک اور المناک داستان ہے۔ جیسے انفرادی طور پر کسی شخص کو دھوکا دینے کے لئے اس سے دوستی کی آڑ میں اور اس کی بہتری، اصلاح اور بے لوث خدمت کا روپ دھار کر واردات کی جاتی ہے بعینہٖ اسی طرح مغربی اقوام نے خود فریبی کے تحت یا جان بوجھ کر براہ راست امداد کے نام پر بھی اور اقوام متحدہ جیسے بظاہر اجتماعی فلاحی ادارہ کے ذریعے بھی پسماندہ اقوام کو فنا کرنے اور ان کا نام ونشان مٹانے کے پروگرام پر عمل درآمد آج تک جاری رکھا ہوا ہے۔ یہ نیرنگیٔ قدرت ہے کہ غیر ترقی یافتہ اقوام کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تو ہوا ـــــ اس کا مداوا تو وقت کے ساتھ ساتھ ہوگا ـــــ مگر خود اقوام مغرب اس اپنے ہی تیار کردہ جال کے پھندے میں پھنس چکی ہیں اور شاید یہ صورت ناقابل اصلاح حد تک آگے جا چکی ہے کہ اقوام

مغرب کی تہذیبی خودکشی کو روکنا اب کسی ادارے کے بس میں نہیں ہے۔ معدودے چند دانشور اور باضمیر لوگ اس پر احتجاج بھی کر رہے ہیں جس کے سوا اب کیا بھی کچھ نہیں جا سکتا۔

امریکہ میں حال ہی میں سپریم کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج نے کتاب لکھی ہے جس میں اقوام مغرب اور بالخصوص امریکہ (جو اقوام مغرب کا نمائندہ اور تہذیبی لحاظ سے ماسٹر مائنڈ ہے) کے تباہ حال معاشرے کی اخلاقی گراوٹ کا رونا رویا گیا ہے۔ کتاب کا نام "SLOUCHING TOWARDS GOMORRAH" ہے اور مصنف کا نام ROBERT H.BORK ہے۔ عنوان کا ترجمہ ہے ''امریکی عوام کا قومِ لوط (علیہ السلام) جیسے انجام کی طرف تیزی سے لپکنا'' ہے اور اس میں امریکی معاشرے کی اخلاقی گراوٹ کا نقشہ خود وہیں کے ایک شخص نے کھینچا ہے۔ اس طرح کی سوچ کے حامل معدودے چند لوگ ہیں جو وہ اپنی قوم کو آنے والی تباہی سے ڈرا رہے ہیں۔ اس ڈرانے کا نتیجہ کوئی 'اصلاح' ہو سکتی ہے یا نہیں یہ بظاہر ناممکن نظر آ رہا ہے۔

مغرب کی سائنسی ترقی کا عمل آج سے پانچ صدیوں پہلے شروع ہوا پہلے اس کا مرکز یورپ تھا بعد ازاں یہ مرکز امریکہ منتقل ہو گیا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ موجودہ مغربی ترقی اور عروج کے پیچھے در پردہ صہیونیت کا گہرا ہاتھ ہے اور اس استحصالی نظام کا سارا فائدہ یہی گروہ اٹھا رہا ہے۔

ان سطور میں ہمیں اس وقت اس صہیونی طاقت اور مافیا کا تذکرہ نہیں کرنا ہے بلکہ صرف اس قدر توجہ دلانا کافی ہے کہ سائنسی ترقی اور تجرباتی علوم کے انکشافات و اکتشافات کی فراوانی مغربی عروج کا ایک اہم حصہ ہے اور اس میں اختلاف بہت کم ہے اور یہ متاع قابل قدر مشترکہ انسانی ورثہ ہے جس کی تعریف نہ کرنا کم ظرفی ہے۔ تاہم ـــــ اس تحقیق و جستجو کے نتائج اور تسخیر کردہ قوائے فطرت کو قابو کر کے ان کا استعمال جن مقاصد کے لئے ہو رہا ہے اور عالمی سطح پر ایک ہی سوچ اور انداز فکر کو پروان چڑھایا جا رہا ہے وہ صہیونیت کا ایجنڈا ہے اور ترقی یافتہ اقوام کے سب لوگ اُن کے آلہ کار ہیں۔

اگر دنیا میں صورت حال یہ ہوتی کہ ان سائنسی اکتشافات کو مسلمان ممالک الگ انداز میں آگے بڑھاتے، ہندو اپنے ملک بھارت میں اپنے انداز میں ان ایجادات کی بنا پر

فلاحی ریاست کے لئے اقدامات کرتے ہیں، عیسائی ممالک اپنے انداز میں، بدھ مت کے پیروکار اپنے نقطہ نظر سے ان حقائق کی روشنی میں انسانی فلاح و بہبود کے منصوبے بنا کر فلاحی مملکت بنا دیتے تو اس شعبے میں مسابقت ہوتی اور خوب سے خوب تر کی جستجو کا ماحول قائم رہتا.....مگر بُرا ہو اس صہیونی ذہن کا جس نے ان ایجادات کو ہر ممکن طریقے سے 'یہودی' ملکیت میں رکھا، بڑی ایجادات 'یہود' ہی کے نام منسوب کیں اور نوبل پرائز کے ایوارڈ بھی دیے تو صرف یہود کو یا یہود کے آلہ کار افراد کو۔ ایک سیکولر عالمی سوچ مادر پدر آزاد رویے اور خدا بیزاری اور خدا دشمن سوچ کو فروغ دیا تا کہ دنیا کو اپنے انداز میں ڈھال کر ایک IMMORAL اور VALUELESS سوسائٹی کا قیام عمل میں آجائے۔ پہلے یہ امریکہ میں ممکن ہوا وہاں 1776ء میں ORDO NOVO SECLORUM کا نعرہ بلند کیا گیا ـــــ پھر یورپ میں اور اب عالمی سطح پر یہی سوچ چھا چکی ہے اور پس ماندہ اقوام اس آگ میں جل رہی ہیں۔ علامہ اقبال نے ایک صدی پہلے جواب شکوہ میں فرمایا تھا:

عہدِ نو برق ہے، آتش زن ہر خرمن ہے ایمن اس سے کوئی صحرا، نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے ملت ختم رسل ؐ شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیم ؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اور آج ـــــ ساری ماڈرن سوسائٹی اسی بے حیائی، بے سکونی اور مادر پدر آزادی کی وجہ سے اخلاق سے عاری ہو کر حیوانی سطح پر زندگی گزار رہی ہے اور قوم لوط (علیہ السلام) کے سے انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذالك۔

بہبودِ آبادی کا فلسفہ

سائنسی ترقی اور صنعتی ترقی کے نتیجے میں خوشحالی آئی تو اس آسودگی اور پرسہولت زندگی کی آسائشوں کو دوام بخشنے کے لئے ابتدا بڑے معصوم انداز میں کی گئی اور بہبود آبادی کے نام پر ترقی اور عیش و دوام کا دلکش اور دل فریب نعرہ دے کر غیر صہیونی دنیا کو بے وقوف بنا دیا گیا۔

بہبود آبادی یعنی انسانی زندگی میں امن سکون، جرائم کی بیخ کنی، عزت و آبرو کی

حفاظت، اظہار رائے کی آزادی اور مذہب کی آزادی کی ضمانت دینے والی ریاست کا تصوراتی خاکہ زمانہ قبل از تاریخ سے انسان کے ذہن میں ہے اور اس کے لئے بے شمار لوگوں نے سوچا..... منصوبے بنائے اور اقدامات کیے مگر کامیابی سے ہمکنار ہونے والے منصوبے بہت کم تھے اور اس میں سے بھی اکثر قلیل مدّت میں ختم ہو گئے۔

''موسیٰ (علیہ السلام) سے مارکس تک'' نامی کتاب میں اس کے مصنف سعادت حسن منٹو نے اس کی تفصیل دی ہے۔ تاہم ایک مثالی فلاحی ریاست کی اس سوچ کو اٹھارویں صدی کے وسط میں اٹھا کر ایک نئے نقطہ نظر سے آگے بڑھانے کا عمل صہیونی ذہن نے ہی آگے بڑھایا ہے۔

بہبودِ آبادی یعنی فلاحی معاشرہ

ایک فلاحی معاشرے کے تصوّر اور منصوبے کے خدوخال ہر انسان آسانی سے اپنی گرفت میں نہیں لا سکتا۔ پھر اس فلاحی معاشرے کو وقتی طور پر قائم کیا جا سکتا ہے مگر اس کو طویل عرصے تک قائم رکھنے کے لئے کیا اقدامات ضروری ہیں اور کس طرح کی طویل منصوبہ بندی کی ضروت ہے۔ یہ مرحلہ کٹھن محنت اور گہری سوچ اور فکر کا حاصل ہے اور بعض اوقات انسان دشمن اور غیر فطری اقدامات کا متقاضی ہوتا ہے۔ ماضی میں 632ء سے 660ء تک خلافت راشدہ کا دور انسانی فلاح و بہبود کے لحاظ سے ایک مثالی دور تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک عورت غرباء اور ضرورتمندوں میں تقسیم کے لئے رقم لیے پھر رہی تھی اور معاشرے میں لینے والا کوئی فرد نہیں تھا۔ وہاں عدل تھا انصاف تھا۔ آزادیٔ رائے تھی کفالت عامہ (روٹی، کپڑا، مکان، علاج، تعلیم) حکومت کے ذمہ تھی۔ تاہم معاشرہ تیس سال (ایک نسل انسانی) سے آگے اپنی خالص شکل میں نہ بڑھ سکا۔ مگر ـــــ شیطانی اور ابلیسی ذہن نے جب ان معاملات میں دخل اندازی کی اور انسانی فلاحی ریاست کو مصنوعی انداز میں دوام بخشنے کا منصوبہ سوچا گیا تو ـــــ بہت سے ایسے اقدامات کرنا پڑے کہ انسانیت نے شرم سے منہ چھپا لیا۔

☆ لینن نے روس میں اصلاحات کیں تو 30-40 لاکھ انسانوں کو قتل کر دیا گیا کہ ہمارا ملک ان کی موجودگی میں فلاحی ریاست نہیں بن سکتا۔ یہ شیطنت نہیں تو اور کیا ہے کہ انسانی فلاح و بہبود کے نام پر ایک دو نہیں ـــــ مجرم نہیں قاتل اور ڈاکو نہیں معصوم چار ملین انسانوں کو تہ تیغ کر دیا

گیا۔عقل حیران ہے اسے کیا کہا جائے۔

☆ چین میں ماوزے تنگ کا انقلاب آیا اصلاحات ہوئیں تو اس طرح لاکھوں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تا کہ باقی لوگوں کے لئے فلاحی منصوبے مؤثر ہوسکیں۔

☆ معاشیات کا علم ایک حد تک آگے بڑھا تو ماہرین معاشیات نے انکشاف کیا (مالتھوس 1850ء) کہ انسانی آبادی کی شرح افزائش زیادہ ہے اور وسائل کی شرح ترقی کم ہے۔ انسانی آبادی زیادہ تیزی سے بڑھتی ہے۔یعنی GEOMETRIC PROGRESSION میں بڑھتی ہے جیسے 1 سے (2^2)=4,4 سے (3^2)=9 پھر (4^2)=16 گنا ہوتی ہے جب کہ اس کے مقابلے میں وسائل اسے 2,2 سے 3,3 سے 4 گنا بڑھتے ہیں۔

بہبودِ آبادی اور خاندانی منصوبہ بندی

معاشیات کے میدان میں حاصل مطالعہ اور ترقی علم کا نتیجہ یہ نکلا کہ.....ترقی کرنی ہے اور پائیدار اور دیرپا سوسائٹی بنانی ہے تو انسانی آبادی کی شرح افزائش کو روکنا ہوگا۔ ورنہ وسائل ضائع ہوجائیں گے اور لوگوں کو سہولتیں فراہم کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

یہیں سے خاندانی منصوبہ بندی اور بہبود آبادی کے نام پر 'قتل انسانی' کا گھناونا جرم شروع ہوا ہے جو قبل از تاریخ کے پتھر کے زمانے کے بے رحم اور سنگ دل انسانوں سے زیادہ بے رحمی سے بروئے کار لاکر، غیر ترقی یافتہ اقوام کو مسلسل قتل کر کے ان کے وسائل پر جائز و ناجائز ہر ممکن طریقے سے قبضہ کر کے کچھ ترقی یافتہ ممالک کے 'خاص' لوگوں کو سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔

ایک فلاحی ریاست کے قیام کے نام پر انسانی قتل کی آزادی اور لوٹ مار کی فراوانی کی ضرورت کے پیچھے جو فلسفہ ہے وہ ہے تو پیچیدہ تاہم ـــــ ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ممکن ہے کہ اخاذ اور بیدار ذہن اس کو اپنی سوچ کا حصہ بناسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان بنائے ہیں اور انسانی تمدن کی گاڑی عورت اور مرد کے ذریعے قائم اور رواں دواں ہے خاندان اور معاشرہ اسی سے بنتے ہیں۔ اگر کسی علاقے کا ایک سردار یہ کوشش کرے کہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہی سہی ایک مثالی معاشرہ قائم کرنا ہے جو فلاح و بہبود کے پیمانوں پر پورا اتر سکے یعنی ہر فیملی کو ایک اچھا گھر میسر ہو ـــــ بجلی، پانی، نکاسی آب کی سہولتیں

میسر ہوں، گھر میں آسائش کی ساری سہولتیں ہوں، سڑکیں ہوں، آمدورفت کے لئے ذاتی سواری اور پبلک ٹرانسپورٹ کا نظام قائم ہو۔ عدل وانصاف ہو ـــــ سکول تعلیمی ادارے کالج یونیورسٹیاں ہوں ہر شخص کے لئے معقول روزگار ہو امن وامان ہو ـــــ جرائم نہ ہوں محرومی نہ ہو۔

اس طرح کی فلاحی بستی کسی محدود علاقے میں منصوبہ بندی کر کے بنائی جاسکتی ہے اور مغرب نے اس طرح کی کئی بستیاں بسا دیں ـــــ مگر انسانی مزاج اور فطرت کے اپنے اصول ہیں۔ عملاً یہ ہوتا ہے کہ 1000 خاندانوں کے لئے آپ نے ایک 'الجنّت ٹاؤن' بنا دیا ساری سہولتیں فراہم کر دیں مگر 10 سال بعد معلوم ہوا کہ ایک فیملی میں پہلے صرف میاں بیوی تھے اب پانچ بچے ہیں۔ دوسری فیملی پہلے ایک بچہ تھا اب ماشاءاللہ چھ بچے ہیں کسی میں دو ہیں کسی میں چار کا اضافہ ہو چکا ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی گھر میں کوئی اولاد نرینہ نہ ہو تاہم یہ شاذ ہے اور مجموعی طور پر صورت حال یہی ہوتی ہے، ابتدا میں قائم کیے گئے سکول ناکافی ہو جاتے ہیں۔ تعلیمی ادارے کم پڑ جاتے ہیں، 20 سال میں بچے جوان ہوتے ہیں، علیحدہ گھر چاہئیں، روزگار کے مواقع چاہئیں، بجلی پانی نکاسی آب کا نظام، سڑکیں سب منصوبہ بندی ناکام ہو جاتی ہے۔

لہٰذا ـــــ اہل مغرب نے انسانی فلاح کے نام پر نتیجہ نکالا کہ ہر گھر (فی فیملی) صرف دو بچے ہونے چاہئیں یعنی 1000 خاندانوں کے لئے بسائی ہوئی بستی میں 2000 بچے ہوں گے 30 سال بالعموم بیٹا جوان ہوگا بیٹی جوان ہوگی بیٹا بیاہا جائے گا بہو آجائے گی۔ بیٹی شادی کے بعد کسی اور کی بہو بن جائے گی کچھ عرصے والدین ـــــ بیٹا بہو (وہی چار افراد) گھر میں ہوں گے والدین بوڑھے ہو کر فوت ہو جائیں گے اس خاندان میں بھی 2 بچے ہوں گے اور اس طرح اگلے 30 سالوں میں پھر وہی عمل دہرایا جائے گا۔ یوں ـــــ جو سہولتیں ریاست نے ایک دفعہ مہیا کر دی ہیں سکول، ادارے، کالج، مارکٹیں، سڑکیں، سہولتوں کا نظام، ٹرانسپورٹ کا نظام بنا دیا ہے وہ بہت تھوڑے تغیر وتبدل کے ساتھ جاری وساری رہے گا۔

خاندانی منصوبہ بندی کے مہلک اثرات

کاغذی طور پر تو یہ منصوبہ بڑا دلکش اور جاذب نظر ہے مگر عملاً انسان کو ان اصولوں کے شکنجے میں کس دینا کہ بس یہ ہوگا اور یہ نہیں ہوگا ـــــ عمومی انسانی نفسیات کے خلاف ہے۔ اس

موقع پر صہیونی مافیا نے یہاں ہار نہیں مانی۔ یہ کام چونکہ اس کے خود تراشیدہ عالمی اسرائیلی ریاست کے قیام کے منصوبہ کا ابتدائیہ ہے جس کے لئے دوسری اقوام کو کنٹرول کرنا اس میں شامل ہے لہٰذا ـــــ بہبود آبادی کے حسین نعرے کے نام پر اقوام عالم کو دھوکا دیا گیا اور آبادی کو کنٹرول کرنے کے عالمی سطح پر منصوبے بنائے گئے اور اس کے لئے وافر وسائل مہیا کیے گئے اور ہر قوم کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ ان کی فلاح اسی میں ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے ہر فیملی کا سائز دو بچوں تک محدود کر دیا جائے کہ دو بچے یا اس سے بھی کم بچے ترقی یافتہ ہونے کی دلیل ہے سمجھی جائے اور زیادہ بچے ہونا جاہلیت، جامد مذہبیت کی علامت اور پس ماندگی نشانی سمجھا جائے جس سے معاشرہ ترقی نہیں کر سکے گا بچے تعلیم سے محروم رہ جائیں گے، روزگار میسر نہیں آئے گا وغیرہ وغیرہ۔

صرف یہاں تک کوششیں ہوتیں اور بس ـــــ تو شاید نسل انسانی کا اتنا زیادہ نقصان نہ ہوتا جب نتائج خاطر خواہ نہیں نکلے اور انسانی نفسیات، مزاج اور خواہشات کو لگام نہیں دی جا سکی تو اس ظالم اور انسان دشمن ابلیسی ذہن نے انسان کو فیملی لائف سے باہر اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے تفریح، سیر، ٹورازم ہوٹلنگ کے نام پر بے حیائی اور غیر اخلاقی سرگرمیوں کو فروغ دیا ہے اور اس کے لئے بے پناہ وسائل خرچ کیے ہیں۔ اس کے لئے کوشش کر کے بے پناہ مواقع اور ایجادات کی سہولیات فراہم کی گئیں۔

1882ء میں نیویارک میں بجلی آئی۔ 1892ء میں سینما ایجاد ہوا، چند سال بعد تصویر کے ساتھ آواز والی فلمیں آ گئیں، ساری دنیا میں سینما انڈسٹری کو عام کر دیا گیا، پھر ریڈیو آ گیا، پھر بے حیائی اور بے لباسی کے لئے سیر و تفریح، اجتماعی انداز میں نہانے کے لئے سوئمنگ پول، ساحل سمندر کی سیر گاہیں اور ہوٹلنگ کو فروغ دیا گیا۔ امریکہ ہی میں ٹی وی آ گیا۔ پہلے یہ صرف بلیک اینڈ وائٹ تھا، پھر 1933ء میں رنگین ٹی وی آ گیا، پھر ویڈیو فلمیں ـــــ VCR آ گیا، پھر کمپیوٹر، سی ڈی اور پھر انٹرنیٹ آ گیا جس سے دنیا بھر میں بے حیائی کا سیلاب سب کے سامنے ہے۔

فلاحی ریاست کے دوام کی ایک معصوم سی خواہش سے آغاز کر کے ابلیسی ذہن نے

انسان کو کہاں سے کہاں پہنچادیا اشرف المخلوقات انسان سے گرا کر جانور بلکہ درندہ بنادیا۔

بہبودِ آبادی کے لیے کوششوں کا نتیجہ

انسانی آبادی کنٹرول ہوگئی، فلاحی ریاست بھی بن گئی۔ مگر اس فلاحی ریاست کے رہنے والے انسان ''حیوان'' بن گئے۔ اخلاق و کردار سے عاری بلکہ لباس و تہذیب سے بھی عاری ـــــ جانوروں کی سطح پر زندگی گزارنے والے انسانیت کے اس 150 سالہ طویل سفر میں انسان نے کیا کھویا کیا پایا؟ یہ اعداد و شمار بے حد حیران کن ہیں۔

ترقی یافتہ ممالک بمقابلہ غیر ترقی یافتہ ممالک

دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں سات یا دس ریاستوں کو فلاحی ریاستیں شمار کیا جاتا ہے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے یہ ممالک ساری دنیا (غیر ترقی یافتہ اقوام) کو لُوٹ کر اپنے ملک کا بجٹ بناتے ہیں۔ گویا ان ممالک کے باشندوں کی فلاح و بہبود باقی اقوام عالم کی تباہی کے عوض قائم ہے۔ یہ مغربی اداروں ہی کی رپورٹیں ہیں کہ ان ترقی یافتہ ممالک میں دنیا کے صرف 20% انسان بستے ہیں جبکہ ان ممالک کے پاس دنیا کا 76% سرمایہ ہے باقی 80% انسانوں کے لئے صرف 24% وسائل ہیں اور ان 24% وسائل میں سے بھی ہر ملک کے اپنے جاگیردار، سرمایہ دار، تاجر، کرپٹ حکمران، فوجی و سول بیوروکریسی کے بعض بدکردار افراد بھی شامل ہیں؛ لہٰذا ان ممالک کے افراد کی اکثریت کے پاس دو ڈالر روزانہ کی بھی اوسط آمدنی نہیں ہے۔ (لعنت ہے ایسی فلاحی ریاستوں پر جو دوسرے اپنے جیسے انسانوں کو لوٹ کر اور بھوکا رکھ کر چلائی جارہی ہوں)

شرح پیدائش کے لحاظ سے اقوام مغرب کی کیفیت

بہبود آبادی کے نام پر آبادی کی منصوبہ بندی اور مختصر فیملی کے سلسلے کی اقدامات کرنے کا وہ سفر جو بڑا دلفریب بھی تھا اور بڑا حسین بھی ـــــ اب انسانیت کا قافلہ ڈیڑھ صدی بعد کہاں پہنچا ہے وہ بڑا خوفناک منظر ہے۔ یورپ امریکا کے اہل علم اور دانشور آئندہ دو تین دہائیوں میں آنے والے دور کے تصور سے ہی لرزہ براندام ہیں اور انہیں اپنی نسل کی تباہی

اور تہذیب کے فنا ہو جانے کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا۔

انسانی خواہشات کو بے راہ روی کی طرف موڑ کر فیملی لائف سے باہر سکون کی تلاش کا سفر ایسا خوفناک 'جوا' تھا جو مغرب کے دانشوروں نے کھیلا کہ اب وہ وبال جان بن گیا ہے۔ بہت زیادہ علم، تجربہ، وسائل اور سائنٹفک انداز کے باوجود مغرب کے یہ دانشور فطرت انسانی سے مات کھا گئے۔

نفسیات انسانی کے لحاظ سے ان دانشوروں نے یہ سمجھا تھا کہ مشینوں کو کنٹرول کرنا اور سوئچ آن/ آف کر کے کسی کام کو روک دینا یا دوبارہ شروع کر دینا ایسا اصول ہے جو نفسیات انسانی اور محرکات عمل کے ضمن میں بھی چل جائے گا مگر یہ مفروضہ اتنی بڑی حماقت (BLUNDER) ثابت ہوا ہے کہ اب واپسی (REVERSAL) کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ فلاحی ریاست کے قیام کے لئے آبادی کو کنٹرول کرنے کے لئے شرح پیدائش میں کمی کے ضمن میں شرح پیدائش کو 2.0 تک کم کرنا ان منصوبہ سازوں کا مطمع نظر تھا کچھ دیگر عوامل کے پیش نظر اس شرح کو 2.2 رکھا گیا۔ مگر ڈیڑھ صدی بعد نتیجہ ـــــ آج کی رپورٹوں کے ذریعے ہمارے سامنے ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں:

2008ء کی مردم شماری اور آبادی کی رپورٹوں کے مطابق یورپی ممالک اور امریکا کی صورت حال کچھ اس طرح ہے کہ یہ شرح پیدائش 2.2 سے کہیں نیچے جا چکی ہے کوئی مرد اور عورت گھر گھرستی، بچوں کی پیدائش کا وبال اور بوجھ اُٹھانے کو تیار نہیں بڑی کوششوں کے باوجود یہ شرح پیدائش اب 1.3 کے لگ بھگ ہے۔ ماہرین کے نزدیک اگر کسی ملک اور تہذیب میں شرح پیدائش 2.2 تک رہے تو وہ ملک اور تہذیب زندہ رہے گی جبکہ اس سے کمی کا رجحان آ جائے تو وہ ملک اور تہذیب آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گی۔ اگر 2.2 سے ذرا کم ہو تو اس شرح کو مختلف لالچ (INCENTIVES) کے ذریعے دوبارہ واپس لایا جا سکتا ہے۔ جبکہ..... یہ شرح پیدائش اگر 1.3 کے قریب آ جائے تو اس کو واپس نہیں لایا جا سکتا۔ بالفاظ دیگر اس تجزیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر مختلف تفریحی اقدامات اور اپنی فیملی سے باہر تفریح اور سکون کے لئے کیے گئے اقدامات کے لحاظ سے کسی معاشرے کا رجحان ابتدائی درجے میں ہے تو اس کو واپس لایا (REVERSE)

جاسکتا ہے جبکہ مصنوعی سکون کے یہ طور طریقے کسی معاشرے میں رواج پکڑ جائیں اور شرح پیدائش 1.3 تک آجائے تو اس معاشرے کے اطوار نہیں بدلے جاسکتے اور یہ معاشرہ ایک دو نسل کے اندر ہی تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔

اوپر درج مثال کے اعتبار سے ہی دیکھیں کہ اگر شرح پیدائش 1.8 کے لگ بھگ ہے اور گراف ابھی اور نیچے جارہا ہو تو ـــــ عملاً کیا ہوگا کہ 1000 ـــــ خاندانوں میں صرف 1800 بچے پیدا ہوں گے پھر والدین کی وفات اور شادی کے بعد صرف 900 خاندان رہ جائیں گے اور بچپن کی وفات اور دیگر بیماریوں کا عنصر شامل کرلیں تو اگلی دو تین نسلوں میں ایسا معاشرہ خود بخود فنا ہو کر رہ جائے گا اور ایسے معاشرے کی اصلاح بھی نہیں ہوسکتی۔

اس وقت یورپی ممالک کی شرح پیدائش کے لحاظ سے صورت حال یہ ہے:

عیسائی لوگوں میں	ملک	شرح پیدائش
	فرانس	1.8
	برطانیہ	1.6
	یونان	1.3
	جرمنی	1.3
	اٹلی	1.2
	سپین	1.1

پورے متحدہ یورپ کے 31 ممالک مجموعی شرح پیدائش 1.38 ہے۔

کسی خاندان یا قوم یا نسل میں شرح پیدائش کا گرتے گرتے 1.8 سے نیچے آجانا ماہرین آبادیات کے نزدیک ایسی خوفناک علامت (SYMPTOM) ہے کہ جس پر فوری توجہ دے کر شرح پیدائش کی کمی کا باعث بننے والے عوامل کو ختم نہ کیا جائے تو اگلی نسلوں میں یہ شرح کم ہو کر ناقابل اصلاح حد تک گر جائے گی جس کے نتیجے میں اس قوم کا فنا ہو جانا ہی مقدر ہوگا۔

کسی نسل یا قوم یا تہذیب میں جو عوامل شرح پیدائش میں کمی کا باعث بنتے ہیں وہ مادی ترقی کے باعث تعیّشات میں پڑ جانا ہے اور کسی قوم کے افراد کا بالعموم اور مرد و عورت کا مشقت

اٹھانے والا مزاج (بچوں کی پیدائش اور پرورش کی ذمہ داریاں) چھوڑ دینا ہے۔ مرد میں یہ احساس کہ میں خود کیوں اتنی محنت کروں اور کما کر اولاد کو کھلاؤں لہٰذا بچے زیادہ نہ ہوں ـــــ اور یہ بات میڈیا کے ذریعے عام ہو جائے کہ ـــــ کم بچے خوشحال گھرانہ/ بچے دو ہی اچھے ـــــ تو کون خوشحالی نہیں چاہتا؟ ایک آدھ نسل میں مرد کے ساتھ عورت بھی اس سوچ کی حامل ہو جاتی ہے۔ بچوں کی پیدائش اور پرورش کا زیادہ بوجھ عملاً عورت کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور اگر عورت بھی اس تکلیف کو اٹھانے سے گریزاں ہو جائے تو معاشرے میں کم بچوں کا رجحان تیزی سے پھیل جائے گا، بدکاری عام ہو جائے گی، مانع حمل اشیاء اور ذرائع وافر میسر ہوں گے اور عام ہو جائیں گے؛ اسی کا منطقی نتیجہ اسقاطِ حمل کو عورت کی صحت اور عمومی آزادی کا شاخسانہ قرار دے کر نہ صرف جائز بلکہ ضروری خیال کیا جانے لگے گا۔ ترقی (پیسہ، عزت، شہرت، عیاشی سہولتوں) کا مطلب ذاتی اور خود غرضانہ انداز میں لذتوں کا حصول رہ جائے گا اور قومی و اجتماعی سطح پر تمدنی مصالح نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گے۔

آزادیٔ نسواں کی تحریک کا حاصل ـــــ قوم میں شرح پیدائش کی کمی کا عذاب

اوپر درج سارے عنوانات وہ ہیں جو مغرب نے گزشتہ دو سو سال سے آزادیٔ نسواں کے نام سے ایک تحریک چلا کر عام کئے ہیں ترقی پذیر ممالک میں تو علم کی کمی، زندگی کی سہولتوں کا فقدان اور دیگر عوامل کی بنا پر یہ سکیم پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکی مگر ترقی یافتہ ممالک ـــــ ترقی کے زعم میں شرح پیدائش کی شدید کمی کے عذاب میں مبتلا ہو چکے ہیں اور اب یہ شرح امریکہ کینیڈا میں تیزی سے گر رہی ہے اور یورپ کے تمام 31 ممالک میں مجموعی شرح 1.38 ہے جس کو کسی ترغیب اور معاشرتی دباؤ کے ذریعے واپس لانا ممکن نہیں ہے۔ کسی قوم کے افراد مرد و زن اس طرح کی آزادی کے رسیا ہو جائیں اور دو تین نسلیں اسی طرح گزر جائیں تو ان کو دوبارہ مشقتوں کا عادی بنانا ناممکن ہے۔ مکمل تباہی اس کا واحد علاج ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یورپ میں شرح پیدائش اس حد تک کم ہے مگر یورپ کی آبادی تو بڑھ رہی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب ذرا تفصیل میں جائیں تو بڑا سادہ ہے۔

یہ مغربی ممالک اپنی ترقی کا ڈھنڈورا پیٹتے میں غیرترقی یافتہ ممالک بالخصوص ترکی، مشرق وسطیٰ وغیرہ سے لوگوں کی آمد اور مستقل آبادی کے لئے دروازے کھولے رکھتے ہیں IMMIGRANTS کی وجہ سے ہی مجموعی آبادی میں کمی نہیں آرہی۔ صنعتی ترقی کے لئے لیبر اور افرادی قوت کی ضرورت ناگزیر ہے۔ MODERNISATION اور AUTOMATION کے ذریعے بہت سے کام اب کمپیوٹرائزڈ انداز میں چلتے ہیں تاہم افرادی قوت کی ضرورت کسی طور پر ختم نہیں کی جاسکتی۔

امریکہ کینڈا اور بالخصوص یورپ میں گزشتہ ایک صدی میں باہر سے آکر آباد ہونے والے لوگوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ان مسلمان آبادکاروں میں کئی وجوہات سے شرح پیدائش بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے ان ممالک میں مسلمانوں کی آبادی مسلسل بڑھ رہی ہے۔

کئی مسلمان ملکوں میں شرح پیدائش 3.8 سے زیادہ ہے اور مسلمانوں کا یہی مزاج یورپ امریکہ میں IMPORT ہوجاتا ہے جس سے ان ممالک میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کی رفتار بہت زیادہ ہے اور اس مسلم بمقابلہ غیرمسلم اضافۂ آبادی کو دیکھیں تو عیسائیوں کی گھٹتی ہوئی شرح پیدائش کے مقابلے میں یہ اعداد وشمار انہیں خطرناک نظر آتے ہیں۔

مسلم آبادی بم

نیوکلیر پاور اور ایٹمی ہتھیاروں کا خوف تو دنیا پر طاری ہے ہی.....اور مغربی طاقتوں نے کمزور ممالک بالخصوص مسلمان ممالک (عراق، افغانستان، پاکستان) میں دہشت گردی اور غنڈہ گردی پھیلا رکھی ہے تاہم خود مغربی ممالک کے دل میں مسلم آبادی کے مسلسل اضافے نے ایک ٹائم بم کی حیثیت اختیار کرلی ہے اور یہ خوف انہیں کسی کروٹ چین نہیں لینے دے رہا؟

☆ فرانس میں مسلمانوں کی تعداد میں 3.8 شرح پیدائش سے اضافہ ہورہا ہے اور مسیحی نسل میں شرح پیدائش کم ہوکر 1.3 پر آگئی تو اگلے چالیس سالوں میں فرانس مسلم اکثریت کا ملک ہوجائے گا۔

☆ جرمنی اگلے 20 سالوں میں مسلم اکثریت کا ملک ہوگا۔

☆ برطانیہ میں پچھلے 30 سالوں میں مسلم آبادی میں 30 گنا اضافہ ہوا ہے اور اگلے 25 سالوں میں (2035ء میں) یہ ملک بھی مسلم اکثریت کا ملک ہوگا۔

☆ اٹلی، سپین وغیرہ کی شرح پیدائش اتنی گر چکی ہے کہ اب ناقابل اصلاح ہے اور بہت جلد مسلم اکثریت کے علاقے ہوں گے۔

☆ ترکی کو یورپی یونین میں نمائندگی نہیں دی جاتی اس کی وجہ اس ترکی ملک کا مسلم ہونا ہے اگر یہ اجازت مل جائے اور ترک مسلمان یورپی یونین کے ممالک میں آزادانہ رہائش رکھ سکیں تو مسلمانوں میں شرح پیدائش کے اعداد وشمار کے پیش نظر ـــــ یہ سارا علاقہ بھی بہت جلد مسلم اکثریت کا علاقہ ہوگا۔

شرح پیدائش یا بچوں ـــــ کی جنگ

لیبیا کے صدر معمر قذافی نے ایک موقع پر کہا تھا کہ پورا یورپ اگلے 50 سال 2035ء میں مسلم ریاست بن جائے گا ـــــ نہ فوج کی ضرورت ہے نہ اسلحہ کی نہ گولی چلے گی نہ خون خرابہ ہوگا نہ کوئی تباہی آئے گی مگر نتیجہ حاصل ہو جائے گا۔ جناب معمر قذافی صاحب کا یہ اندازہ اب اہل مغرب کو بچشم سر نظر آ رہا ہے اور وہ اس کا واویلا مچا رہے ہیں۔

مغرب نے گزشتہ کئی دہائیوں میں دیگر شعبہ جات کی طرح آبادی اور شرح پیدائش میں کمی کے لئے مسلسل اور منظم مہم چلائی ہے جس کے نتیجے میں دنیا میں گھر سے باہر عیاشی، ٹورازم، بے حیائی، مانع حمل ادویات کی کثرت اور اسقاطِ حمل جیسے معاملات کی حوصلہ افزائی، آزادی نسوں اور موسیقی کے ساتھ راگ رنگ کی حامل اس مہم کے نتائج اب سامنے آ رہے ہیں اس صورت حال کا اب اہل مغرب کو خوب اندازہ ہو رہا ہے۔ علامہ اقبال نے ایک صدی قبل کہا تھا:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہو گا

مگر ـــــ مسلم ترقی پذیر ممالک میں ان کی خاندانی 'منصوبہ بندی' بہبود آبادی اور پولیو کے ٹیکوں میں شامل اجزاء کے ذریعے مسلم آبادی کو کم کرنے کے منصوبے بڑے زور وشور سے جاری ہیں۔ یہ بات ہمارے ملک کے منصوبہ سازوں اور مقتدر طبقات کے سوچنے اور اس کی روشنی

میں لائحۂ عمل بنانے کی متقاضی ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ پانی سر سے گزر جائے اور ہمیں اس وقت کچھ کرنے کی ضرورت کا احساس ہو۔

فیملی لائف کے تقدس کی پامالی اور قرآن مجید

قرآن مجید میں سورۃ الطّلاق میں ایسی اقوام کا ذکر ہے جو انسانی تمدن اور فیملی لائف میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں نکاح، طلاق، عدت، پاکیزگی، حیض و نفاس جیسے معاملات میں اللہ کی حدود کا لحاظ نہیں رکھتے پھر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرح بے راہ روی کا شکار ہو کر بہت دور نکل جاتے ہیں۔ جیسے آج کا مغرب۔ تو ان قوموں کے لئے منفرد قسم کا عذاب ہوتا ہے۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًاO

''اور بہت سی بستیوں (کے رہنے والوں) نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام سے سرکشی کی تو ہم نے ان کو سخت حساب میں پکڑا لیا اور ان پر (ایسا) عذاب نازل کیا جو نہ دیکھا تھا نہ سنا''

اس آیت میں 'امر' سے مراد انسانی سرشت کی وہ جبلی حدود و قیود ہیں جو تمام حیوانوں میں بھی اپنی 'نوع' کے لحاظ سے ودیعت شدہ ہیں۔ ان بدیہی اور فطری ـــــ داعیات کی حدود کو فراموش کر دینا عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور یہ عذاب بمباری یا کسی جنگ کے نتیجے میں نہیں مسلط ہوگا بلکہ ـــــ یہ عذاب 'خواتین' کے معاملات کو حد اعتدال سے نکال کر مصنوعی اور خود ساختہ آزادی کی وجہ سے بے لگام کر دینے کی شکل میں ہوگا۔ [یاد رہے کہ آج کی اس ترقی یافتہ دنیا میں عورت پر ظلم ہی ظلم ہے بے روزگاری ہے، اوقات کار کی زیادتی ہے اجرت میں کمی ہے، سہولتوں کا فقدان ہے، علاج معالجہ میسر نہیں، تعلیم نہیں ہے۔ یہ ظلم مردوں پر بھی ہے اور عورتوں پر بھی ہے تاہم عورتوں پر کچھ ظلم مردوں کی طرف سے مزید ہو رہا ہے۔ گھریلو اخراجات نہ دینا، مار پیٹ، چھوٹی عمر کی شادیاں 'ستی' اور 'ونی' جیسی رسمیں، وراثت کا حق نہ دینا، بڑھاپے میں نگہداشت کا نہ ہونا وغیرہ ایسے مظالم ہیں جو ہر معاشرے میں ہیں اور مسلم معاشروں میں بھی دین کی دوری کی وجہ

سے آ گئے ہیں حالانکہ اسلام اس طرح کے ظلم کی کسی صورت اجازت نہیں دیتا بلکہ اسلام نے تو خواتین کو وہ حقوق دیے اور علی الاعلان دیے جو اہل مغرب بمشکل چند عشرے قبل دے پائے ہیں اسلام نے مرد وزن کی مساوات کی ہے اور عزت وقار، اعمال، آزادی، جائیداد، کاروبار وغیرہ کی (اسلامی احکام کے اندر رہتے ہوئے) اجازت دی ہے اور ذی وقار اور ذی عزت فرد نوع بشر بتایا ہے۔ جبکہ دوسرے معاشروں میں اس کا عشر عشیر بھی عورت کو میسر نہیں ہے۔] یعنی.....آبادی میں شرح پیدائش کے حد درجہ کم ہو جانے کی وجہ سے مرد وعورت کا فطری بوجھ اُٹھانے سے 'گریز' جس کا آج امریکہ، یورپ شکار ہے' یہ ہے تہذیبی خودکشی اور 'نسل کے فنا' ہونے کا عذاب۔ سراسر خسارہ اور نیست ونابود ہو جانے کا اندیشہ۔ اس پر مزید دو مردوں اور دو عورتوں کی شادی کی اجازت۔ اس صورت میں انسانی شرح پیدائش کی بہتری اور اولاد کا سوچنا ہی بے وقوفی ہے۔

وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمۡرِهَا خُسۡرًا O

اور ان کا انجام نقصان ہی تو تھا

خسارہ کہتے ہی ایسی صورت کو ہیں کہ کوئی نعمت یا سہولت آپ کو پہلے میسر ہے اور تھوڑے وقت یا وقفے کے بعد وہ نعمت یا سہولت چھن جائے۔ مال ہے اور چھن گیا یہ کاروباری خسارہ ہے، صحت کی بربادی بھی ایک طرح کا خسارہ ہے، عام حالات میں جان کا چلے جانا بھی خسارہ ہے، رشتہ داروں عزیزوں کا فوت ہو جانا بھی خسارہ ہے (اس خسارہ سے بچاؤ یعنی مال و دولت، صحت، جان، اعزہ واقارب سب کچھ مسلسل یا عارضی طور پر چھن کر دوبارہ مل جانے کا طریقہ، ایمان عمل صالح ـــــ تواصی بالحق ـــــ تواصی بالصبر ہے اور کچھ لوگ جو بے دین ہیں اور اللہ کی نافرمانی کی زندگی گزار رہے ہیں اور ظلم وزیادتی کے ساتھ مخلوق خدا کو نقصان پہنچا رہے ہیں فساد فی الارض کر رہے ہیں وہ ابدی خسارہ سے دوچار ہوں گے اور دنیا میں بھی یہ چیزیں چھن جائیں گی اور آخرت میں بھی ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے دوبارہ نہیں ملیں گی۔

خَسِرَ الدُّنۡيَا وَ الۡاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ (الحج۔11)

''اس نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی، یہی تو نقصان صریح ہے''

اس طرح کا خسارہ اور نسلوں، قوموں اور تہذیبوں کا معدوم ہونا بہت بڑا نقصان اور خسارہ ان

لوگوں کا مقدر ہے جو فیملی لائف میں 'حدود اللہ' کی پرواہ نہیں کرتے اور اجتماعی اور انفرادی سطح پر انسانی زندگی کی بنیادوں کو ڈھانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے انسانی سوچ میں کجی آجاتی ہے، نسل انسانی کی افزائش کا معاملہ متاثر ہو جاتا ہے۔ اور ایسے معاشرے اور تہذیبیں خود ساختہ ترقی کے پیمانوں کے تحت ترقی یافتہ ہو کر بھی ـــــ درحقیقت ذہنی اور فکری شوریدگی کے باعث صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ اوپر درج کردہ آیت میں 'خُسرًا' کی یہی تعبیر ہے۔

اب ـــــ سب سے آخر میں خود پاکستان کا معاملہ ہے۔ مغرب بظاہر دوستی، امداد، قرض، مشاورت، نصیحت، ٹیکنالوجی، ٹرانسفر اور تعلیمی اداروں کی آڑ میں اپنی تہذیب کو برتر ثابت کر کے ہمیں اپنی روایات سے دور کرنے کے لئے جاہلانہ رسم و رواج، روایت پرستی، مذہبیت کا طعنہ دے کر اور بے حیائی، بدکرداری، شراب وغیرہ کے استعمال کو ترقی کا نام دے کر ہماری آبادی کے فطری تناسب اور شرح پیدائش کو ایسی سطح پر لانے کے لئے نصف صدی سے سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔ حقیقت کیا ہے ـــــ مگر ان کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ہماری شرح پیدائش بھی 3.5 سے اب 2.2 ہو چکی ہے اور رُو بہ زوال ہے۔

ان کی حالیہ رپورٹ کے مطابق پاکستان کا پاپولیشن گروتھ ریٹ 2.2 رہ گیا، 65 سال سے زیادہ افراد کی تعداد تین فیصد ہے۔

> لاہور (لیڈی رپورٹر) پاکستان کی آبادی ایک رپورٹ کے مطابق 22 کروڑ ہو چکی ہے اور پاپولیشن گروتھ ریٹ 3.5 سے کم ہو کر 2.2 رہ گیا ہے۔ 65 سال سے زیادہ عمر کے افراد کی تعداد تین فیصد رہ گئی ہے پیدائش سے 14 سال تک کے بچے 42 فیصد ہیں خواتین کی تعداد 1.05 مردوں کے مقابلے میں کم ہے جبکہ 2015ء تک 0.93 مرد بچیں گے 1997ء میں ورک فورس میں عورتوں کی تعداد 27 فیصد تھی جبکہ 2010ء میں 37 فیصد عورتیں ورک فورس کا حصہ ہیں۔ 1951ء میں لڑکیوں کی شادی اوسط عمر 17 سال تھی جو 2005ء میں 22 سال ہو گئی ہے 2009ء میں 24 سال رہی۔ 1980ء میں پاکستان میں ایک عورت 6 بچے اوسطاً پیدا کرتی تھی

جبکہ 2006ء میں 4، 2007ء میں 3.7 اور 2008ء میں 3.5 تک رہی 2010ء میں ایک عورت تین بچے اوسطاً پیدا کرے گی۔ پاکستان میں شرح پیدائش میں کمی بہت تیزی کے ساتھ ہوئی ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق اسلامی ملک ہونے کے باوجود ساؤتھ ایشین ریجن میں صرف ماؤں کے دودھ پر پلنے والے بچوں کی شرح 31 فیصد ہے جو بہت کم ہے۔(ماخوذ از ماہنامہ عرفات لاہور۔ مارچ 2010)

اگر اس رپورٹ کا دسواں حصہ بھی صحیح ہے تو ہمیں اپنے مستقبل کی فکر کرنی ہوگی.....ورنہ بقول شاعر

ع تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اس خوفناک صورتحال سے نکلنے کے لئے ہمیں درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

1۔ نوزائیدہ بچوں کو ماں کا دودھ پلانا ازحد ضروری ہے اس سے بچوں کی پیدائش میں عام طور پر وقفہ خود بخود تین، چار سال کا ہو جاتا ہے اور بچے اور ماں کی صحت اچھی رہتی ہے۔

2۔ اپریشن (CEASARIAN BIRTH) کے ذریعے بچوں کی پیدائش کی حوصلہ شکنی ضروری ہے کہ اس سے تیسرے بچے کی پیدائش کا مرحلہ ہی نہیں آتا ہے اور بات ہمارے دشمنوں کی ہی پوری ہو جاتی ہے۔

3۔ فیملی لائف اور نکاح کی زندگی گزارنے کی ترغیب وتشویق ـــــ یعنی نکاح اور شادی کو کم خرچ اور آسان بنانا۔ اسلام کے مطابق چلیں تو لڑکی والوں کے لئے جہیز بارات، کھانا، دعوت، مہندی، سب رسمیں فضول ہو جاتی ہیں۔

مسجد میں نکاح اور آسان رخصتی جلد شادیوں کی ضمانت ہے اور جلد شادی (صحیح عمر بچیوں کے لئے 18 تا 20 سال اور لڑکوں کے لئے 21 تا 25 سال) صحت مند فیملی لائف اور شرح پیدائش کے 3.0 تا 4.0 کے درمیان رہنے کی ضمانت ہے اور یہ شرح پیدائش تہذیبی اور نسلی طور پر مسلمان امت کے بقا کی ایک علامت ہے۔

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ (ابن ماجہ۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا)

''نکاح میری سنت ہے''

اورمزید فرمایا:

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ (متفق علیہ۔ عن انس رضی اللہ عنہ)

''جس نے میری سنت سے روگردانی کی میرا اس سے کوئی تعلق نہیں''

متاہل زندگی اور فیملی لائف ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور غلامی کا حاصل ہے اور مغرب کے منصوبوں کو خاک میں ملانے کا واحد ذریعہ ہے۔ آج کے دور میں ہم اگر اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلتے ہوئے فیملی سسٹم کو نہ بچا سکے تو مسلمان ہونے کے ہمارے زبانی دعوے کسی کام نہیں آسکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے ہر شعبے بشمول فیملی لائف میں دین کے احکام کی پاسداری کرنے کی توفیق بخشے اور نکاح طلاق وغیرہ کے احکام کے ضمن میں عورت مرد کے جو حدود وحی جلی اور وحی خفی نے متعین کر دیے ہیں ان کے اندر اندر رہنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین

انہیں اُمور کو قرآن میں حدود اللہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اور قارئین حیران ہوں گے کہ قرآن پاک میں کل 13 مرتبہ 'حدود اللہ' کے الفاظ آئے ہیں اور دوسرے پارے میں جہاں چار رکوعوں میں نکاح وطلاق کے احکام آئے ہیں وہاں چار آیتوں میں چھ مرتبہ 'حدود اللہ' کے الفاظ آئے ہیں جس سے اس موضوع پر اللہ تعالیٰ کے انسان کے اندر ودیعت کردہ فطری اور جبلی صحت مند تقاضوں پر روشنی پڑتی ہے اور اس کی خلاف ورزی پر انسانی نفسیات، مزاج، سوچ، انفرادی واجتماعی زندگی پر بُرے اثرات کا خاکہ سامنے آیا ہے۔

آج ہم مسلمانوں کو اس لحاظ سے بھی بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔ بھارت اور مغرب کی بے حیا، بے غیرت اور عریانی وفحاشی کی تہذیب کو اپنے ہاں سے رخصت کر دینا چاہیے تاکہ آئندہ نسلوں کو اس کے مضر اثرات سے پاک رکھا جا سکے۔ کیا خوب کہا تھا مولانا ظفر علی خان نے اس تہذیب جدید کے بارے میں جب انہوں نے اس تہذیب کو ناجائز اور حرام قرار دیا تھا:

؎ تہذیبِ نو کے منہ پر وہ تھپڑ رسید کر
جو اس 'حرام زادی' کا حلیہ بگاڑ دے

اور.....میں مسلمان ہو گیا!

(بشکریہ ماہنامہ مجلّہ فہم القرآن لاہور)

میرا نام نوح ہامیم کیلر ہے۔ میں شمال مغربی ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دیہاتی علاقے میں 1954ء میں پیدا ہوا اور بطور رومن کیتھولک ایک مذہبی گھرانے میں پلا بڑھا۔ میرے بچپن کے زمانے میں چرچ نے میری تمام روحانی ضرورتوں کو پورا کیا۔ میں نے جب کیتھولک یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو مذہبی مطالعے میں اضافے کے ساتھ ساتھ اپنے عقیدے کے بارے میں سوالات میرے ذہن میں پیدا ہونے شروع ہوئے۔

1963ء میں ''سیکنڈ ویٹی کن'' کونسل کے مطابق چرچ کے کوئی مقررہ معیارات نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کیتھولک کلیسائی عبادات اور رسوم میں بھی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ چرچ کے پادری کلیسائی قواعد میں نرمی اور لچک کے قائل ہیں۔ تاہم اُنہوں نے عام کیتھولک عوام کو اندھیرے میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اللہ کی کتاب انجیل مقدس کے عبرانی سے لاطینی اور لاطینی سے انگریزی ترجمے ہوتے ہوتے بہت کچھ بدل گیا۔ وحی الٰہی کے الفاظ کی جگہ مختلف زمانوں میں انسانوں نے اپنی سہولت اور آسانی کے مطابق تبدیلیاں کر ڈالیں یہاں تک کہ اللہ کے کلام کو گوئٹار اور کلاسیکی موسیقی کا محتاج بنا دیا گیا۔

کلیسائی عبادتوں میں تبدیلی کی ایک اور وجہ عقیدے اور نظریات کی مشکلات بھی تھیں۔ مثال کے طور پر تثلیث کا نظریہ جس کی وضاحت دنیا کی تاریخ میں کوئی شخص نہیں کر سکا۔ نہ کوئی

پادری اور نہ کوئی عام آدمی متاثر کن انداز میں اس کی توضیح کرنے میں کامیاب ہوسکا۔عقیدہ تثلیث کے مطابق اللہ تعالیٰ جنت سے دنیا پر حکمرانی کررہا تھا اور زمین پر اس کا بیٹا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس نے انسانیت کو بچایا اور مقدس فرشتہ جبرئیل علیہ السلام نے جس کو ایک سفید فاختہ کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے نسبتاً ایک معمولی کردار ادا کیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب بھی میں کبھی پریشانی میں مبتلا ہوتا تھا تو میں یہ فیصلہ نہیں کرسکتا تھا کہ ان تین میں سے کس سے مدد کی درخواست کروں۔ بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ اللہ تعالیٰ باقی دونوں پر غالب اور حاکم ہونا چاہئے۔ میں جب تک عیسائی رہا ان تینوں کے اختیارات میں مساوات کا تصور میرے ذہن میں کبھی نہیں آیا کیونکہ یہ مساوات میرے کیتھولک عقائد میں ہمیشہ ایک رکاوٹ اور سقم پیدا کردیتی تھی۔

چرچ کے بارے میں میری بے اعتقادی کی ایک اور وجہ اس کا اسٹاکس اور ٹریڈنگ میں ملوث ہونا بنا۔ بائبل کا میں نے جب بھی مطالعہ کیا' اس کے تضادات نے سوائے پریشان خیالی کے مجھے کچھ نہ دیا۔ بعد میں جب میں نے عیسائیت کے دوسرے فرقوں مثلاً پروٹسٹنٹ کا مطالعہ کیا تو میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ عیسائیت کی اس کمی کو کیسے پورا کیا گیا۔ پروٹسٹنٹ نے اپنا علیحدہ مذہب تخلیق کرلیا۔ ہر فرقے نے اپنے مطلب کے عقائد پر زور دیا اور باقی کو چھوڑ دیا۔ کیتھولکس نے سوائے مذہبی رسومات کے تمام چیزوں کو چھوڑ دیا۔ ظاہر ہے بائبل میں کہیں بھی پوری زندگی کے لئے ہدایات موجود نہیں تھیں اور جو کچھ بھی تھا باہم متضاد تھا۔

جب میں نے کیتھولک یونیورسٹی میں عیسائیت کا گہرا مطالعہ شروع کیا تو میرے علم میں آیا کہ نئے عہدنامے اور پرانے عہدنامے کے تضادات نے اصل کتاب کی حقانیت کو ہی شک وشبہ میں ڈال دیا ہے۔ خود عیسائیت کے ماننے والے محققین نے جب اس بارے میں تحقیقات شروع کیں تو سوائے تشکیک کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ میں نے جوا کم جرمیاس کی کتاب ''دی پرابلم آف ہسٹاریکل جیسس'' کا مطالعہ کیا جس کا ترجمہ نارمین پیرن نے کیا ہے۔ جرمیاس اس صدی میں نئے عہدنامے پر بنیادی سکالر کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ انجیل مقدس کی اصل زبانوں کا عالم اور ماہر تھا اور اس نے بالآخر سکالر روڈلف بلٹ مین کے اس مقولے سے اتفاق کیا کہ نئے عہدنامے کی بنیاد پر عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی قابل اعتماد اور قابل اعتبار سوانح تحریر نہیں کی جاسکتی۔ جب عیسائیت کا ایک

دوست اسے تسلیم کر لیتا ہے تو عیسائیت کے مخالفین کو جواب دینے کے لئے عیسائیوں کے پاس کون سی دلیل رہ جاتی ہے۔ بائبل اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس میں سچ اور حق کو یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی کو انسانوں اور کہانیوں کے ساتھ اس طرح ملا دیا گیا ہے کہ افسانہ اور داستان طرازی سچ کے اُوپر غالب آ گئی ہے اور کوئی شخص بھی کہانی کو حقیقت سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ جب جرمیاس جیسا شخص بھی بائبل کی اس کمی کو تسلیم کرتا ہے تو ایک عام عیسائی کے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے؟ اس دوران میں نے آرتھر شوپن ہار کا مطالعہ بھی کیا اور فرڈیرک نطشے کا بھی اور ان میں سے کوئی بھی عیسائیت کے بارے میں میری بے اطمینانی کا علاج نہ کر سکا۔ جب میں نے یونیورسٹی آف گلاسکو میں داخلہ لیا تو فلسفہ میرے مطالعے کا محور بن گیا۔ میں نے جین پارل، سارترے، بیزل ہارئیس، کارل مارکس، اینجلز، ایمائل درکھاسم، جرمی شاپیرو، جرگن ہیبر، ماس، ہیگل اور دوسرے فلسفیوں کا مطالعہ کیا۔

اس دوران اسلام کے بارے میں بھی متعدد کتابیں میں نے پڑھ ڈالیں۔ ان میں وہ تصانیف بھی شامل تھیں جن کے مصنف مغربی آدمی کے ماحول اور مسائل سے بخوبی آگاہ تھے۔ ایسے مصنّفین نے اس چیز پر زور دیا کہ جدید انسان کے لئے سارے مسئلے پیدا ہی اس لئے ہوئے کہ اس نے دنیائے فطرت میں بطور انسان اپنے مقام کو اپنے خالق کے بتائے ہوئے رہنما اُصولوں اور وحی الٰہی کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

انتہا یہ ہے کہ عیسائیوں کے تمام مذہبی ادارے یعنی چرچ بھی محض ایک کمرشل اور تجارتی ادارے بن کر رہ گئے۔ میں نے امام غزالیؒ کی ایک تصنیف کا ڈبلیو مانٹگمری کا کیا ہوا ترجمہ بھی پڑھا جس سے زندگی کے معاملات میں روشنی ملی۔ اس کتاب میں ہیگل کے تصور کے مطابق ایک ایسے عقل منداور باشعور شخص کا تذکرہ ہے جو حق اور باطل میں تمیز کا پورا اختیار اور تمیز رکھتا ہے۔ میں نے قرآن مجید کا اے جے آربیریز کا ترجمہ بھی پڑھا۔ اگرچہ ترجمہ ایک عیسائی کا کیا ہوا ہے لیکن اس کی ہر ہر سطر سے بائبل کے مقابلے میں قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور قرآن کی بالادستی ثابت ہوتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے بطور قادر مطلق اور انسان کے بطور ایک بندے کے ان کے باہمی رشتے کی نمایاں توضیح ملتی ہے۔

ایک وقت آیا کہ میں نے شکاگو یونیورسٹی میں عربی زبان سیکھنی شروع کی۔ صرف قواعد

اور صرف ونحو پر عبور حاصل کرنے میں مجھے ایک سال کا عرصہ لگ گیا۔ عربی پر پورا عبور حاصل کرنے کے لئے میں نے قاہرہ جانے کا فیصلہ کیا تا کہ نجی طور پر یہ زبان سیکھ سکوں۔ مصر میں مجھے ایسے تجربات ہوئے جن کی وجہ سے میرا اسلام پر یقین اور پختہ ہو گیا۔ مصر میں میرے اچھے برے ہر طرح کے مسلمانوں سے ملاقات ہوئی لیکن میں نے ان پر قرآن کا گہرا اثر دیکھا جو مجھے پوری عیسائی دنیا میں عیسائیوں پر بائبل کا کہیں نظر نہیں آیا۔

دریائے نیل کے کنارے میناس گارڈنز میں چہل قدمی کرتے ہوئے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو پانی کی طرف رُخ کر کے گتے کے ایک ٹکڑے پر نماز ادا کر رہا تھا۔ اس کی حالت سے اس کی غریبی اور مفلوک الحالی ظاہر ہو رہی تھی۔ میں اس کے سامنے سے گزرنا چاہتا تھا لیکن اس وجہ سے رک گیا کہ اس کی توجہ میں مداخلت نہ ہو لیکن وہ نماز میں اس قدر گم تھا کہ اپنے رب کے ساتھ اس کی توجہ اتنی گہری تھی کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آ رہا تھا۔ ایسی توجہ اور ایسا ادراک میں نے کبھی اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انسان اپنے خالق اور مالک سے ایسا گہرا تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ میں نے ایسی توجہ اور ایسا تعلق کسی پادری کا اللہ سے قائم ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

میں نے خان الخلیلی کے قریب سیکنڈری سکول کے ایک کمسن لڑکے کو دیکھا۔ وہ تھوڑی سی انگریزی بول لیتا تھا اور مجھے تھوڑی سی عربی آتی تھی۔ اس لئے ہم ایک دوسرے سے بات چیت کرنے لگے۔ وہ گیزا تک میرے ساتھ پیدل گیا جو کئی میل دور تھا۔ جب ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو وہ یہ دُعا کر رہا تھا کہ میں اسلام قبول کر لوں۔ شاید یہ اس کے سچے دل کی دُعا تھی کہ جس نے مجھے دین حق کی طرف مائل کیا ورنہ تو بہت سے سکالر اور عالم جنہوں نے اسلام پر بڑے بڑے تھیسس لکھے تھے مسلمان ہوئے بغیر مر گئے اور جنہیں اللہ نے توفیق دی اُنہوں نے صراطِ مستقیم کا انتخاب کر لیا۔

قاہرہ میں میری ملاقات ایک یمنی مسلمان سے ہوئی جس نے عربی سیکھنے میں مدد کے لئے مجھے قرآن مجید کا ایک نسخہ دیا۔ میرے کمرے میں کوئی میز نہیں تھا اور میں اپنی کتابیں فرش پر رکھا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے قرآن مجید کا یہ نسخہ بھی ان ہی کتابوں کے ساتھ فرش پر رکھ دیا۔ میرے یمنی دوست نے عجلت میں اس نسخے کو فرش سے اُوپر اُٹھا لیا اور اس وقت تک اُوپر اُٹھائے رکھا جب تک میں نے اس سے وعدہ نہیں کر لیا کہ میں اسے فرش پر رکھنے کی بجائے اپنے بستر کے سرہانے رکھوں گا تا کہ اس کی

بے ادبی نہ ہو۔ اللہ کے کلام کے لئے اس کی عقیدت اور محبت سے میں بے پناہ متاثر ہوا حالانکہ وہ کوئی مذہبی آدمی یا سکالر نہیں تھا لیکن اس کے باوجود اس کی عقیدت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

اپنی پوری زندگی میں میں نے کسی مذہب کے عام انسانوں پر ایسے گہرے اثرات نہیں دیکھے جیسے قاہرہ میں قیام کے دوران عام مسلمانوں پر اسلام کے اثرات نظر آئے۔ عیسائیت میں یقیناً بہت سی اچھی باتیں ہیں لیکن تمام اچھائیوں پر نظریاتی خلفشار اور تضادات کا غلبہ ہے۔ یہ تضادات اور خلفشار قرآن مجید میں کہیں بھی نظر نہیں آتے۔ ہر بات کھلی اور واضح ہے۔ ہر حکم دلیل اور منطق کے ساتھ ہے۔ قرآن مجید میں آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک ہر پیغمبر کا تذکرہ انتہائی احترام کے ساتھ ہے۔ جس طرح عیسائی پیغمبر اسلام ﷺ اور شعائر اسلام کی بے حرمتی کرتے ہیں اس طرح مسلمان عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے حواریوں کی بے حرمتی نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے لئے انجیل مقدس بھی اللہ کا کلام ہے لیکن اب وہ اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہے کیونکہ اس میں بعد میں آنے والوں نے کہانیاں اور افسانے شامل کر دیے ہیں۔ اسلام کا پہلا سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سرتاپا محبت ہے اور انسان کو اس کی تعریف اور توصیف اپنے اندر پیدا کرنے اور اللہ کی عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا۔

ایک دن قاہرہ میں ایک دوست نے مجھے کہا: ''تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔''

اس کی بات تیر کی طرح میرے دل میں پیوست ہو گئی۔ درحقیقت سلامتی کا راستہ تو وہی اختیار کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے لیکن انسان میں خود بھی تو اس راستے کی جستجو ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر ایک لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔ خوب جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ ہم نے نشانیاں تم کو صاف صاف دکھا دی ہیں شاید کہ تم عقل سے کام لو۔ (الحدید: 16,17/57)

بالآخر میں نے قاہرہ میں 1977ء میں اسلام قبول کیا اور تب سے اب تک میں اسلام کے بارے میں کئی کتب تحریر کر چکا ہوں اور کچھ کتابوں کے ترجمے کر چکا ہوں۔

فاسٹ فوڈ اور بڑھتے ہوئے امراض

حکیم محمد عمران مغل بی اے

(بشکریہ: ماہنامہ الشریعہ اپریل 2013)

فاسٹ فوڈ کے نام پر تمام زہروں کو یکجا کر کے انسانی صحت کو برباد کیا جا رہا ہے اور ہم ہیں کہ ہر بری چیز کو آنکھیں بند کر کے قبول کرتے جا رہے ہیں۔ موجودہ امراض ہیپاٹائٹس، معدہ اور گردہ کے امراض، جگر کی مختلف بیماریاں، جوڑوں کا درد، قبض، پتہ، مثانہ کی بیماریاں پہلے بھی تھیں، مگر ان کی نوعیت یہ نہیں تھی جو آج دیکھنے سننے میں آ رہی ہیں۔ ان امراض کی وجہ سے انسانوں کے چہرے اور دیگر جسمانی اعضا کی شکل بھی بدل چکی ہے۔ خصوصاً شوگر کے آنے کے بعد کے تو حالات بہت بھیانک ہوتے جا رہے ہیں۔ مذکورہ امراض پہلے بھی تھے مگر فاسٹ فوڈ کی گہما گہمی نے ان کو دوآتشہ کر دیا ہے۔

بند، ڈبل روٹی، کیک، بسکٹ، باقر خانی، حلوہ پوری، کچوری اور حلوائیوں کی مٹھائیوں نے صحت مند معاشرہ کو چاروں شانے چت گرا دیا ہے۔ طبی تحقیقات بتاتی ہیں کہ کوکا کولا میں استعمال ہونے والا رنگ کینسر کا باعث بنتا ہے۔ جن گھرانوں میں کوکا کولا یا بوتلوں کا بند پانی استعمال ہوتا ہے، وہاں امراض گردہ، جوڑوں کا درد شدت سے پھیل چکا ہے۔ کھانے کے بعد بوتلوں کا کھاری پانی پینے سے پیدا ہونے والے ناگفتہ بہ امراض نے ہمارے معاشرے کو کھوکھلا کر دیا تھا اور مریضوں کے حالات سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ الغرض میدہ اور باریک آٹا بالکل استعمال نہ کریں، یہ انسانی انتڑیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ نے اپنے ہاں میدہ کا استعمال ممنوع قرار کر دیا تھا۔ یہ نہیں تو کالی زیری کھانے کے بعد ایک چٹکی کھانے سے جسمانی مشینری خوب کام کرتی رہے گی۔ آج کل چاٹی کی لسی پینا آبِ حیات سے کم نہیں، اس سے بلڈ پریشر کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ ہاضمہ کا فعل بھی تیز ہو جاتا ہے اور تیزابیت بھی اپنی سطح پر آ جاتی ہے۔ نیند بھی خوب آنے لگتی ہے۔ الغرض مشرقی طریق علاج میں ایک ایک تیر سے کئی شکار کیے جاتے ہیں اور بیماریوں کا زور ٹوٹنے لگتا ہے۔

تعارف وتبصرہ کتب

1۔ خواجہ غلام فرید کے مذہبی افکار

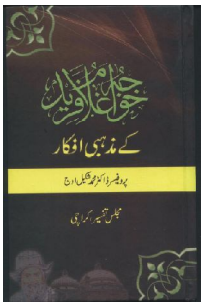

ڈاکٹر محمد شکیل اوج

ناشر: مجلس تفسیر، کراچی

مشہور مذہبی شخصیات کے افکار کا ملخص پیش کرنا علم دوستی بھی ہے اور ایک مشکل کام بھی۔ تاہم یہ کام اردو کے ایک مصرع کے مطابق ___ع ''پھول کھلے ہیں گلشن گلشن، اپنا اپنا دامن'' والی بات ہے۔ ایک خوبصوت اور وسیع گلشن میں ہر باذوق آدمی اپنی پسند کا گلدستہ ترتیب دے دیتا ہے۔ ضروری نہیں کہ کوئی بھی دو مہم جُو حضرات کا گلدستہ آپس میں مکمل یکسانیت رکھتا ہو۔ یہ مہم جوئی ہمارے قابل احترام ڈاکٹر محمد شکیل اوج صاحب نے خواجہ غلام فریدؒ کے گلشن افکار اور 'مقابیس المجالس' کے 'جگنوزار' میں کامیابی سے سرانجام دی ہے۔

اس فکری کاوش کا یہ پہلو بھی بہت اہم ہے کہ گلشن افکار میں سے کوئی 'انتخاب' ___ صاحب انتخاب کی اپنی اندرونی شخصیت، دبے خیالات، عزائم مستقبل کی اُمنگیں اور منصوبوں کا 'رنگ لیے ہوئے ہونا' فطری بات ہے۔ ہمارے نزدیک خواجہ غلام فریدؒ کے افکار و خیالات معروف ہیں، انہیں ایک صدی قبل کے اہل حدیث مسلک، دیوبندی مسلک اور ہند کے دیگر علمی خانوادوں (فرنگی محل، اجمیر شریف، بریلی وغیرہ) کا اعتماد حاصل تھا۔ جو مشہور زمانہ تقدیس الوکیل یعنی 'ہفت مسائل' کے سلسلے میں کی گئی کوششوں میں ان کے کردار سے ظاہر ہے۔ آپ متبحر عالم تھے آپ کا مشاہدہ بہت وسیع تھا آپ صوفی تھے وحدت الوجود کے قائل تھے۔ (شاعری میں یقیناً الفاظ کا انتخاب قرآن وحدیث کے معیار کا ممکن نہیں) آپ کے ملفوظات آپ کے مذہبی افکار کے مکمل آئینہ دار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جدید اُردو دان حضرات کو خواجہ غلام فرید کی شخصیت سے متعارف کرانے کا فریضہ ادا کیا ہے جو ایک وقیع علمی کام ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر احسان

ہے۔ ہمارے نزدیک اس 'انتخاب' سے ڈاکٹر محمد شکیل اوج صاحب کے اندر چھپا ہوا ایک خالص روایتی مذہبی، صوفی، وجودی اور تصویر اسلاف مسلمان کا ہیولا سامنے آ گیا ہے جو بعض داخلی اور خارجی حوادثات کے باعث نامساعد ماحول میں وقت گزارنے پر مجبور ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ کسی وقت امام غزالیؒ اور مولانا رومؒ کی طرح یہ نابغہ عصر بھی حاضر و موجود سے منہ موڑ کر روحانیات کے میدان میں اپنے خوابیدہ جوہر دکھا رہا ہو۔ آمین (انجینئر مختار فاروقی)

2۔ پاکستان کیا ہے اور کیسے بنے گا

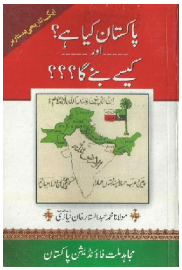

مولانا عبدالستار خان نیازی

ناشر: مجاہد ملت فاؤنڈیشن پاکستان، برج کلاں قصور

زیر تبصرہ کتاب بطل حریت، مجاہد ملت کی وہ ذہنی و فکری معراج ہے جس میں دیدہ وری اور دانشمندی سے اپنے مشن یعنی حصول پاکستان کی حکمت عملی اور مملکت خداداد پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد اس کے ''آئین'' کے رہنما اصول تحریر کر دیے ہیں۔ پیکر عزیمت نے صلیبیوں کی استبدادی حکومت کے خلاف تحریک پاکستان میں نہ صرف قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں بلکہ اپنی منزل کے حصول کے لیے پھانسی کا پھندہ چوم کر پاکستان کے خواب کو عملاً شرمندۂ تعبیر کر دیا۔ آپ ہمیشہ ژولیدہ فکر قوتوں کے خلاف بھی قلمی جہاد میں مصروف رہے، وہ فنافی الباکستان تھے اور پاکستان میں خلافت راشدہ کا احیاء چاہتے تھے۔ تحریک پاکستان کے مخالف نقطہ نظر کا مدلل انداز میں عملی و فکری جواب بھی زیر تبصرہ کتاب ہے۔ مطالعہ پاکستان کے طلبہ کے لیے ایک نصابی تالیف ہے اور لائبریری کی زینت بننے کے لائق ہے۔ (حافظ مختار احمد گوندل)

3۔ فرقہ واریت اور انتہا پسندی کے رجحانات

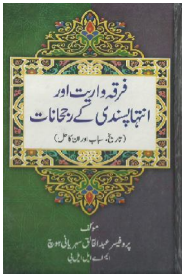

پروفیسر عبدالخالق سہریانی بلوچ

ناشر: ایوان علم و ادب پاکستان، کندھ کوٹ، ضلع جیکب آباد

زیر تبصرہ کتاب میں فرقہ واریت کی تاریخ، مسلمانوں کے گروہی اختلافات اور ناموس ملت کی رسوائی کے اسباب بیان کیے گئے ہیں

اُمت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے علاقائی ولسانی تعصّبات کو ختم کر کے عالم اسلام کی کشتی کو ساحل تک بحفاظت لے جانے کا فکری مواد بھی موجود ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تفرقہ، عدم برداشت اور تنگ نظری جب اذہان پر محیط ہو جائیں تو قوموں میں وحدت قائم نہیں رہتی اور ایسی اقوام معتوب ہو جایا کرتی ہیں۔ ترقی یافتہ اقوام نے ان بیماریوں سے نجات پا کر ہی ترقی وفلاح کے زینوں کو طے کیا ہے انہوں نے نہ صرف اختلافات (OPPOSITION) کو برداشت کیا بلکہ اسے بنظر تحسین دیکھا اور شورایت کی حقیقی روح کو اپنا کر عالمی منصب قیادت پر فائز ہو گئے ہیں جبکہ ''مسلمان مجموعی طور پر فرقہ واریت کے گرداب میں گرفتار ہیں۔ سیادت عالم کے منصب جلیلہ سے ان کی معزولی کا بنیادی سبب یہی ہے کہ اتحاد واتفاق کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔'' یہ کتاب اُمت کے درد میں 'قلب پریشان' رکھنے والے ہر مسلمان کے مطالعہ کی مستحق ہے۔ کتاب کے صفحۂ عنوان کی پشت (VERSO OF TITLE) پر ''مسلمانوں میں فرقہ واریت اور انتہا پسندی کے رجحانات'' درج ہے۔ تبصرہ نگار کی رائے میں بہتر ہوگا کہ سرِ ورق کا عنوان بھی اسے بنا دیا جائے۔ (حافظ مختار احمد گوندل)

4۔ نبوی دلائل وامثال

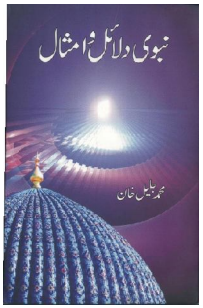

محمد جلیل خان

ناشر: اسلامک پبلی کیشنز منصورہ، ملتان روڈ، لاہور

فاضل مصنف نے زیر نظر کتاب میں رسول اکرم ﷺ کی ان احادیث مبارکہ کو جمع کرنے کی بہت اچھی سعی کی ہے جن میں آپ ﷺ نے اُمت کی تعلیم وتربیت کے لیے دلیل اور مثال دے کر بات کی وضاحت فرمائی ہے۔ کتاب کو سات ابواب میں ترتیب دیا ہے: (1) بگاڑ کے اسباب (2) مآلِ کار (3) مقامِ رسالت (4) سیرت وکردار (5) حلال وحرام (6) فہم دین۔ (7) سربراہ۔ ہر باب سے مناسبت رکھنے والے عنوان کے تحت پہلے حدیث مبارکہ کا عربی متن اور اس کے ساتھ اُردو ترجمہ پھر مختصر تشریح پیش کی ہے۔ یہ کتاب منتخب احادیث کا اردو زبان میں انتہائی مفید ذخیرہ ہے، ہر شخص کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ صفحات 174۔ ملنے کا پتہ: دفتر تحریک اسلامی پاکستان، واقع آر ایس۔ 33، اٹاوہ سوسائٹی، نزد گلشن معمار کراچی 75340۔ (حافظ ثاقب نذر)

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے علمی ودینی مجلّہ

ماہنامہ الحق کا پینتالیس سالہ اشاریہ

(1965ء تا 2010ء)

ماہنامہ الحق کے 45 سالہ مجلّات کے ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں، جس میں سینکڑوں موضوعات اور عناوین پر محیط مقالات و مضامین ہیں جو کہ ایک انسائیکلوپیڈیا ہے اور یہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک ریفرنس بک اور معتبر حوالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مدیر مسئول: مولانا سمیع الحق مدظلہ مرتب: محمد شاہد حنیف

صفحات: 498 قیمت: 600روپے

موتمر المصنّفین۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اعلان

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہاولپور کی عظیم دینی درسگاہ **دارالعلوم مدنیہ بہاولپور** کے **پچاس سال** مکمل ہونے پر دارالعلوم کا ترجمان **مجلّہ المصطفیٰ** دارالعلوم کی پچاس سالہ تاریخ وخدمات پر مشتمل خصوصی شمارہ شائع کررہا ہے۔ جس میں آپ پڑھ سکیں گے:

.....دارالعلوم کے قیام کی تاریخ، بانیین، مہتممین، اراکین شوریٰ اور اساتذہ کے سوانح وخدمات

.....دارالعلوم کے بارے میں اکابرین ومشائخ کے تاثرات

.....دارالعلوم کی تعلیمی، اصلاح وتبلیغی خدمات

.....دارالعلوم کے ہونہار فضلاء کرام کے قلم سے مادرِ علمی کو خراجِ عقیدت۔ اور بہت کچھ.....

اپنی آراء سے آگاہ کرنے اور اپنی کاپی بک کرنے کے لیے رابطہ کریں

دفتر مجلّہ المصطفیٰ، دارالعلوم مدنیہ ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور

darululoommadnia@yahoo.com

0923-630340 ،0321-6842176,03137799808,03065646591

سیّدنا حضرت **محمد** ﷺ

پر درود وسلام بھیجنا ایک مسلمان کے لئے سعادت دارین ہے

لیکن

- صلوٰۃ کا مفہوم کیا ہے؟
- سلام بھیجنے سے مراد کیا ہے؟
- صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے لئے آپ ﷺ کا بتایا ہوا طریقہ کیا ہے؟
- صلوٰۃ وسلام کس کس موقع پر پڑھنا چاہئے؟
- توہین رسالت کے واقعات کے پس منظر میں صلوٰۃ وسلام کی کیا اہمیت ہے؟

یہ اور دیگر ایسے سوالات کے جوابات کے لئے

ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ ان شاءاللہ

عنقریب ایک خصوصی اشاعت

کا اہتمام کر رہا ہے

جس کا عنوان

الصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولِ اللّٰہ

ہوگا۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ اس خصوصی اشاعت کے لئے قلمی تعاون فرمائیں نیز موضوع سے متعلق تراشے حوالہ جات اور مضامین ارسال فرمائیں یا مطلع فرمائیں

(ادارہ)

سکول متوجہ ہوں

تربیتی ومشاورتی خدمات

اگر آپ اعلیٰ معیار کے ساتھ جدید تعلیم اسلامی تناظر میں دینا چاہتے ہیں اور طلبہ کی اسلامی تربیت کے لیے ٹھوس اقدامات کرنا چاہتے ہیں تو صفاء انسٹی ٹیوٹ مہیا کرتا ہے آپ کے سکول کو

1۔ مناسب اسلامی نصاب

2۔ اساتذہ و پرنسپلز کی تربیت

3۔ طلبہ کی کردار سازی کا مکمل لائحہ عمل اور

4۔ سکول ڈویلپمنٹ پلان

فرنچائز آفر: اگر آپ نیا سکول کھولنا چاہتے ہیں تو جگہ کے انتخاب سے لے کر فرنیچر کی فراہمی، سٹاف کی تعیناتی، مارکیٹنگ اور روٹین کی دیگر سہولتوں کے علاوہ اسلامی تناظر میں نصاب، تربیت اساتذہ و تربیت طلبہ کے مکمل پیکج۔

مزید تفصیلات کے لیے رابطہ کیجیے:

صفاء انسٹی ٹیوٹ

369۔ بی فیصل ٹاؤن لاہور، فون 9-35169468-042، 0300-4609522

ویب www.safa.edu.pk info@safa.edu.pk 0308-4448899

ان شاء اللہ العزیز

25 روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

خصوصی قرآن فہمی کورس

7 جون تا 30 جون 2013ء